October 2022

اہلِ حدیث

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 42 No. 12 October 2022

Rabi ul Awa/Rabi al Thani 1444 AH

جلد: 42 شمارہ: 12 اکتوبر 2022ء

ربیع الاول/ربیع الثانی 1444ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

پی گئی کتنوں کا لہو تیری یاد، غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

8/ستمبر، جمعرات کی دوپہر ملکہ برطانیہ 96 برس کی عمر پا کر بال مورول قلعہ میں وفات پا گئیں۔ ان کی موت ایک دنیا کو افسردہ کر گئی، ان کا جنازہ کئی حیثیتوں سے منفرد قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں اس کی بظاہر کوئی نظیر نہیں ملتی، نہ جانے اس کی تیاری اور ترتیب میں کتنے دماغ بلکہ کتنے ادارے شامل تھے اور کتنا سرمایہ لگا۔

ملکہ کی موت سے نصرانی عقیدہ اور چرچ آف انگلینڈ کو نئی توانائی ملی، ورنہ نصرانیت اب عقیدہ اور مذہب سے زیادہ کلچر اور عادات کا روپ اختیار کر رہی ہے۔ ان کی موت تاج اور بادشاہت کے تصور کو دل و دماغ میں راسخ کرنے کا ذریعہ ثابت ہوئی، ان کی موت کی خبر سے تدفین اور جانشینی کے مراسم کی ادائیگی میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ ریاست ہائے متحدہ برطانیہ کی باہمی ریاستی چپقلش کی حدت کو کم کر کے لندن کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا سبب بنی۔ اس کا عملی مظاہرہ کئی پہلوؤں سے ہوا، تخت نشینی کے اہم دستاویز پر ریاستی ذمہ داران کے دستخط بطور گواہ کے ثبت کیے گئے۔ نقارچیوں کے ذریعہ قدیم روایت کے مطابق مختلف علاقوں میں اعلان کروایا گیا، اگرچہ کہ ذرائع ابلاغ کی ترقی کے دور میں بظاہر یہ تکلف دکھائی دیتا ہے، کیونکہ لوگ لندن میں منعقدہ تقریب تخت نشینی کا براہ راست مشاہدہ کر چکے تھے تاہم اس قدیم روایت کی برقراری میں تخت شاہی کی اہمیت کا مظاہرہ بھی تھا اور ملحقہ چھوٹی ریاستوں کو مرکز کے ساتھ مربوط رکھنے کا ذریعہ بھی، تقریب حلف برداری کے بعد نئے بادشاہ نے والدہ کے جنازے سے پہلے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے وہاں کی مقامی اسمبلیوں سے خطاب کیا اور مختلف لوگوں کی آشیرباد حاصل کی۔

ملکہ نے اپنے اس منصب پر اتنی شہرت پائی کہ اگر بغیر کسی اضافت کے کوین کہا جاتا تو مفہوم متبادر ملکہ برطانیہ ہی ہوتا۔ ورنہ دیگر شاہوں کے لیے ملک یا نام کی اضافت درکار ہوتی ہے۔

وہ تخت شاہی پر اپنے والد کنگ جارج کی وفات کے بعد 27 برس کی عمر میں 1952ء میں متمکن ہوئیں اور چند مہینوں کے بعد تاج پوشی کی رسم 1953ء میں ادا کی گئی۔ اس موقع پر وعدہ کیا تھا کہ میں اپنی زندگی چاہے طویل ہو یا مختصر اپنے ملک کی خدمت میں لگا دوں گی۔ اسی عہد کے مطابق حالات کے اتار چڑھاؤ، گرمی سردی کے باوجود اخیر تک اپنے فرائض منصبی نبھاتی رہیں، آخری ایام میں گرتی ہوئی صحت کے باعث اسکاٹ لینڈ کی پہاڑیوں پر واقع قلعہ بال مورول میں مقیم تھیں، وفات سے تین روز قبل مستعفی ہونے والے وزیر اعظم کا استعفیٰ قبول کر کے نئی وزیر اعظم کی منظوری دی، اس کا ٹی وی پر عوام نے مشاہدہ کیا، گویا تین روز قبل تک وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہی تھیں، فرق اتنا تھا کہ سرکاری ملاقاتیں بکنگھم پیلس میں انجام پاتی تھی، اب بال مورول میں یہ تقریب منعقد ہوئی۔

ان کی موت کی خبر کے ساتھ ہی ٹی وی چینلز نے سارے پروگرام منسوخ کر کے اسی خبر کو نشر کرتے اور ملکہ ہی سے متعلق پروگرام چلاتے رہے، بلکہ تین دن تک دوسری خبروں کا ذکر ہی نہیں، گویا دنیا میں اس کے علاوہ کوئی خبر قابل ذکر نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کے تابوت کے دیدار کے لیے کیونکہ چہرہ کا دیدار تو شاہی قلعہ میں موجود چند افراد نے ہی کیا ہو گا جو وفات کے وقت موجود تھے باقی لوگ صرف تابوت کا ہی دیدار کر سکے، لیکن اس کے لیے بھی عوام کا ہجوم ایسے امنڈ پڑا ہر طرف جدھر سے گاڑی گذرتی راستوں پر عقیدتمندوں کی قطاریں لگ گئیں، پہلے

اسکاٹ لینڈ کے دار الحکومت ایڈنبرا میں دو روز کے لیے تابوت رکھا گیا، اس کے دیدار اور مذہبی رسومات کی انجام دہی کے لیے ہزاروں لوگ شریک ہوئے، پھر یہاں سے نعش لندن قصر شاہی پہنچائی گئی، ایک دن کے لیے فیملی اور خصوصی افراد خاندان کو موقع دیا گیا، پھر پارلیمنٹ کے خصوصی ہال تزک واحتشام کے ساتھ تابوت لے جایا گیا، اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے گھنٹوں لوگ راستوں پر کھڑے رہے، تابوت جب پارلیمنٹ بلڈنگ کے مخصوص ہال میں پہنچایا گیا تو اس انداز سے کہ مرنے کے بعد بھی شاہی وقار میں فرق نہ آنے پائے، ویسے تو پارلیمنٹ ہاؤس میں داخل ہوتے ہی برطانوی عظمت وسطوت کا سکہ دل و دماغ میں بیٹھنے لگتا ہے، لیکن ملکہ کا تابوت اس انداز سے رکھا گیا کہ نہ صرف عظمت رفتہ کے نقوش تازہ ہوں بلکہ مزید اضافہ ہو۔ تابوت کے اوپر تاج ملکہ کو خاص وضع سے رکھا گیا جس میں نایاب ہیرے اور قیمتی موتی جڑے ہوئے ہیں۔ سرہانے صلیبی نشان آویزاں کیا گیا کہ زندگی میں جس عقیدہ سے وابستہ تھیں، مرنے تک اسی پر قائم رہیں۔ تابوت کے چاروں کناروں پر مسلح باڈی گارڈ مخصوص لباس میں ہتھیار زمین پر ٹکائے سرنگوں بلا جنبش وحرکت دم سادھے ٹھہرے رہے، یہ بہت ہی مشکل ہیئت ہے تب ہی تو ہر 20 منٹ بعد پہرے داروں کی ڈیوٹی بدلتی رہی، اس ہیئت اور ماحول میں 20 منٹ کا قیام بھی شاید ان کے لیے گھنٹوں طویل ڈیوٹی پر بھاری رہا ہو گا، تب ہی تو مضبوط قوی سپاہی بھی کمزور پڑتے دکھائی دیے اور کچھ اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھ سکے، غش کھا کر گرنے والوں کو ان کے ساتھیوں نے سنبھالا دیا۔ کچھ دیر کے لیے ملکہ کی اولاد اور احفاد نے اسی وضع قطع کے ساتھ یہ ڈیوٹی انجام دی کہ صرف ملازمت پر مامور افراد ہی نہیں بلکہ شاہی افراد بھی اس غم میں شریک ہیں، دوسری طرف عوام اور رعایا

کی یہ کیفیت تھی کہ دیدار کے لیے پارلیمنٹ ہاؤس کے باہر جو قطار بنائی گئی وہ وقت کے ساتھ طویل تر ہوتی گئی، پہلے چند گھنٹوں کے بعد ہی بتایا جانے لگا کہ اس کے آخری سرے سے تابوت شاہی تک پہنچنے میں چار گھنٹے لگیں گے، پھر چھ گھنٹے، بارہ گھنٹے اور 2 دن بعد تقریباً 24 گھنٹے طویل ہو گئی یعنی آج صبح کوئی دیدار کے لیے لائن میں لگے تو اس کا نمبر کل صبح آئے گا، اس کے لیے مسلسل لائن میں کھڑے رہنا اور 8 کلو میٹر طویل فاصلہ طے کرنا ہو گا، تب وہ تابوت شاہی کے روبرو پہنچ کر چند سیکنڈ رک کر اپنی عقیدت کا اظہار کر سکے گا، اس طویل تھکا دینے والی لائن اور پُر مشقت انتظار کو خندہ پیشانی سے جھیلنا کسی زبردستی یا خوف کے بغیر صرف محبت کا نتیجہ ہی ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ عمر رسیدہ بلکہ معذور ویل چیئر پر بیٹھے زائرین کو کہتے ہوئے سنا گیا کہ اگر ملکہ نے اپنی زندگی کے 70 برس ہمارے لیے گذارے ہیں تو ہم 24 گھنٹے اپنی زندگی کے ان کے لیے نکالیں یہ مہنگا سودا نہیں، تابوت کے سامنے پہنچنے والے پُر نم آنکھوں اور مرجھائے ہوئے چہرہ سے اظہار عقیدت کر رہے تھے، کوئی مخصوص انداز سے سر کو جنبش دیتا کوئی آنکھیں بند کر کے سر جھکائے ٹھہرتا تو کوئی دونوں ہاتھ جوڑ کر نمستے کرتا دکھائی دیا یا انگلی سے صلیب کا نشان بناتا جیسے کہ امریکی صدر اور ان کی اہلیہ نے کیا۔ یہاں شاہ و گدا سب برابر دکھائی دیئے، فرق تھا تو صرف اتنا کہ اہم شخصیات کو طویل لائن کی زحمت سے بچا کر مخصوص راستہ سے اندر لے جایا گیا لیکن کچھ عقیدتمندوں نے اس بائی پاس کے بجائے عام لائن سے جانا ہی پسند کیا جیسے مشہور فٹبالر ڈیوڈ بیکھم نے بارہ گھنٹوں کا دورانیہ پورا کیا لائن میں، یہاں آنے والوں کو عقیدت و محبت کے پھول لانے سے منع کر دیا گیا تھا کہ صفائی میں خاصی محنت ہو گی، کیونکہ موت کی خبر کے ساتھ ہی عقیدتمند گلدستے لیے شاہی رہائش گاہوں کے باہر پہنچے کہ ان گلدستوں کو گاڑی کی مدد سے ہٹانا پڑا، حالانکہ یہ گلدستے قیمتی اور رنگے برنگے پھولوں سے سجائے جاتے ہیں لیکن

ہر پھول کی قسمت میں کہاں ناز عروساں

کچھ پھول تو کھلتے ہی مزاروں کے لیے بھی

ملکہ کا تابوت خاموش زبان میں کہہ رہا تھا کہ یہ دنیا فانی ہے، یہاں کی زندگی مختصر اور محدود ہے، پھر ابدی دنیا کی طرف کوچ کرنا ہے، اس میں امیر و غریب، مؤمن و کافر، شہرت یافتہ اور بے نام و نشان سب برابر ہیں۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ وقت کی اہم ترین شخصیات انبیائے کرام علیہم السلام بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں، یکے بعد دیگرے متعدد انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لے آئے اور دنیا سے کوچ کرتے رہے۔

یہ قانون الٰہی ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ 0 وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾

کسی مخلوق کو بقا نہیں، باقی رہنے والی ذات صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ہے۔ (سورۃ الرحمٰن: 27)

یہ شاہی محلات، مضبوط قلعے، زندگی کی چکاچوند اور عشرت سامانیاں سب زوال پذیر ہیں، بلکہ بسا اوقات اللہ کے نافرمانوں کو زیادہ نوازا جاتا ہے کہ یہ امتحان ہے اور اخروی نعمتوں کا کوئی حصہ ان کے لیے نہیں جو دولت ایمان سے محروم ہوں۔ پڑھیے قرآن:

"اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں یعنی دنیوی اسباب میں رغبت کی وجہ سے طالب دنیا ہی ہو جائیں اور آخرت کو فراموش کر بیٹھیں تو اللہ رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیوں کو بھی اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر ٹیک لگا بیٹھتے ہیں۔" (سورۃ الزخرف: 33-34)

مذہبی رسومات کی ادائیگی کے بعد تابوت کو سربراہان عالم کے جھرمٹ میں شاہی تزک و احتشام اور فوجی بینڈ باجے کی دھن کے ساتھ اس کی آخری منزل مختلف شاہراہوں سے گزار کر اس طرح پہنچایا گیا گویا وہ کہہ رہی تھیں:

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہو

جب ونڈسر کاسل کے چرچ میں اس چبوترہ پر تابوت رکھا گیا جہاں سے تابوت ری موٹ کے ذریعہ تہہ خانہ وہاں سے قبر کے گڑھے میں اتارا جاتا ہے، پھر اس پر رکھا ہوا تاج شاہی بحفاظت تمام اتار لیا گیا کہ اب یہ اور کسی کے سر سجے گا، یہ تو ملکہ کا جنازہ تھا جسے سرکاری اعزازات کے ساتھ لے جایا گیا، ویسے مغربی تہذیب کے تضادات میں سے ایک جنازہ کا اہتمام ہے، زندگی میں چاہے گھر کے بڑے بزرگوں کا کوئی پُرسان حال نہ ہو، ہاسٹل میں سسک سسک کر مر رہے ہوں، لیکن مرنے کے بعد جنازہ اہتمام سے بلکہ دھوم سے اٹھایا جائے گا، قبرستان تک عمدہ گاڑی قریبی افراد ایک ہی طرز کا سوٹ زیب تن کیے پہنچتے ہیں اس کے لیے دن اور وقت ایسے طے کیا جاتا ہے کہ جیسے کوئی تقریب ہو۔ اس کے انتظامات کے لیے خصوصی تجارتی کمپنیاں قائم ہیں، Funeral Services (فیونرل سروس) جو تدفین کی بنیادی باتوں سے لے کر شاہانہ انداز تک کے پیکج فراہم کرتی ہیں تا کہ

"عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے"

اطلاعات کے مطابق ملکہ کے جنازہ میں شرکت کے لیے تقریباً 100 ممالک کے سربراہ پہنچے، بلکہ بعض ممالک کے سفارتخانوں کی جانب سے شکایت کی گئی کہ ہمارے ملک کے سربراہ کو اس تاریخی موقع پر شرف دعوت سے کیوں محروم کیا گیا، جیسے روس کے صدر اور بہت سے خلیجی ممالک کے شاہوں کو نظر انداز کیا گیا، گویا آنے والوں کو شارٹ لسٹ کر کے مدعو کیا گیا ورنہ یہ تعداد کہیں بڑھ جاتی، 19 ستمبر کا دن جنازہ کے لیے مقرر تھا اور اس کے لیے ایک طرف تیاریاں جاری تھیں، لوگ سڑکوں پر لائن بنا رہے تھے اور دوسری طرف شام بکنگھم پیلس میں معززین کے لیے استقبالیہ تقریب سجائی جا رہی تھی جیسے کہہ رہے ہوں:

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تیرے پیچھے

اس موقع پر حکمران پارٹی، حزب مخالف اور تمام سابق وزرائے اعظم ساتھ ساتھ اکٹھے دکھائی دیے، گویا سیاسی اختلافات کے باوجود ملکی مفادات اور اجتماعی مسائل میں ہم ایک ہیں، سابق وزراء اگرچہ کہ ذمہ

داریوں کے بوجھ سے سبکدوش ہوتے ہیں لیکن شخصی وقار اور احترام باقی رہتا ہے، لندن کے مرکزی چرچ میں جو عبادت ہو رہی تھی اور آخری رسومات کو براہِ راست دنیا کے 2 ارب سے زیادہ لوگوں نے دیکھا، یہ مناظر دنیا کے متعدد بڑے چینلز دکھا رہے تھے۔

جانے والے کا پیغام آنے والوں کے نام: ملکہ کی موت نے نصرانیت کے بجھتے چراغ کو تیل فراہم کیا، جگہ جگہ اور ہر موڑ پر عیسائیت کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ کیا جا رہا تھا، ملکہ کی سوانح حیات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے عقیدہ اور مذہبی وابستگی کا خوب چرچا کیا گیا کہ وہ اپنے سرکاری فرائض کے ساتھ ساتھ اتوار کے دن چرچ ضرور جایا کرتی تھیں، انہیں کتاب مقدس کے کئی بند زبانی یاد تھے، ہمیں توقع ہے کہ نئے بادشاہ سلامت بھی اپنی ماں کے ہی عقیدہ پر قائم رہیں گے، اس نازک موقع پر شاید یاد دہانی اس لیے ضروری سمجھی گئی کہ نئے بادشاہ نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں جب تخت نشینی کا حلف اٹھاؤں گا تو حلف نامہ میں درج عبارت کہ مخصوص مذہب کی حفاظت کروں گا اس کی جگہ پر ہر مذہب کی حفاظت کہنا پسند کروں گا، سرکاری شاہی حلف نامہ میں درج ہے کہ Defender of The Faith اس پر عیسائی مشنریوں کی جانب سے کافی واویلا کیا گیا تھا کہ تخت برطانیہ پر براجمان شخص بنیادی طور پر نصرانیت کا محافظ ہوتا ہے، اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ عیسائیت کو دیگر مذاہب کے مساوی وزن دے۔

تاج شاہی جو برطانیہ کی شان اور عظمت کا نشان سمجھا جاتا ہے، ملکہ کے تابوت سے جب اتارا گیا اس عبرتناک منظر کو دنیا نے دیکھا کہ دنیا کی ریل پیل عہدہ اور منصب کا جلال بس یہیں تک ہے، پھر مخصوص عصا جو کہ عیسائی عقیدہ کے مطابق قوت وطاقت کا مظہر ہے اسے تابوت کے اوپر توڑ دیا گیا کہ یہاں سے تمہاری طاقت ختم اور اس کے ساتھ ہی تابوت کو تہہ خانہ اور پھر قبر میں اتار دیا گیا، پڑھیے قرآن:

﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ﴾ (سورۃ الانعام: 94)

"اور تم ہمارے پاس تنہا آ گئے جیسے ہم نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے نوازا تھا وہ اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے۔"

یہاں سے پہرے دار، عقیدتمند، کروفر سب ختم، فرمایا صادق مصدوق سید المرسلین ﷺ نے:

يَتْبَعُ المَيِّتَ ثَلاَثَةٌ، فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ: يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ، فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ

"میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں لیکن دو واپس ہو جاتی ہیں اور ایک ہی اس کے ساتھ باقی رہتی ہے، اس کے اہل وعیال دوست احباب، دھن دولت اور عمل لیکن اہل وعیال دوست احباب اور مال قبر سے واپس ہو جاتے ہیں، صرف اس کا ذاتی عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے۔" (صحیح بخاری: 6514)

اور اسی نامۂ اعمال کی بنیاد پر کامیابی اور ناکامی کا دارومدار ہے۔

﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ 0 وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

نئے بادشاہ چارلس کے ساتھ مختلف مناسبتوں پر ہماری ملاقات ہوتی رہی، وہ جب ولی عہد تھے بکنگھم پیلس میں کچھ لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا، راقم بھی ان مہمانوں میں شامل تھا، مہمان جب قصر شاہی میں جمع ہو گئے ملکہ اپنے شوہر فیلیپ اور فرزند چارلس کے ساتھ نمودار ہوئیں، مختلف مہمانوں کے ساتھ فرداً فرداً ملاقات کرتی اور احوال پوچھتی رہیں۔ شاہی محل میں تشریف لانے والوں کے لیے پیشگی ہدایت نامہ بھیجا گیا تھا اور گاڑی پر لگانے کے لیے اسٹیکر تاکہ پہرہ دار گاڑی پیلس کے احاطہ میں پارک کرنے کی اجازت دے دیں لیکن گاڑی کی چابی گاڑی میں ہی چھوڑیں، لباس کے متعلق ہدایات، پیلس کے اندر مہمانوں کے مذہبی رجحانات کے لحاظ سے خورد ونوش کا اہتمام تھا کہ کسی کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہوں اور نہ ہی کسی کو حلال وحرام کے متعلق استفسار کی ضرورت پیش آئے۔ وغیرہ وغیرہ

ایک اور مرتبہ لندن میں واقع مسلم کالج میں منعقدہ ایک تقریب میں پرنس چارلس کو مدعو کیا گیا تھا، اس مناسبت سے ملک کے مختلف نمائندے موجود تھے، یہاں بھی حسب معمول ڈریس کوڈ کا اہتمام تھا کہ شرکاء کس قسم کا لباس زیب تن کریں گے، میں نے سوچا کہ حیدرآبادی شیروانی سے بہتر کونسا سوٹ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا شیروانی پہن کر پہنچا، جب پرنس چارلس آئے تو اس موقع پر اتنے مجھ سے قریب ہوئے کہ بٹن کو ہاتھ لگا کر دیکھا اور پتہ نہیں میرا کونسا جملہ انہیں بھا گیا کہ میرا تعلیمی پس منظر دریافت کرنے لگے، میری زبان سے بے ساختہ نکلا کہ مشرقی اور مغربی ممالک میں تعلیم پائی، اس جملہ پر بہت محظوظ ہوئے، اس اجتماع میں ان کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے کافی واقفیت رکھتے ہیں، تب ہی تو ان کی آکسفورڈ میں کی گئی تقریر جس میں اسلام کے بارہ میں مثبت اظہار خیال کیا، بہت مشہور ہوئی، لیکن حلف لیا اس میں تو کوئی تبدیلی نہیں کی، کیونکہ یہ سیاست ہے جہاں جگہ جگہ حق اور باطل کا ٹکراؤ رہتا ہے۔ جہاں دینی تقاضوں اور دنیاوی مصلحتوں میں ترجیح دینی پڑتی ہے، جہاں پہنچنے کے لیے یا پہنچ کر دین کا نام لیوا بھی قلابازیاں کھانے لگتے ہیں، وہاں اہل تقویٰ کا تقویٰ ڈگمگانے لگتا ہے، جہاں ایک وزارت کے عوض دین، مذہب اور نظریات کا سودا کیا جا سکتا ہے یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے کہ عباسی عہد خلافت کے سپوت خلیفہ منصور نے بستر مرگ پر حسرت کے ساتھ کہا تھا کہ اگر میں کچھ دن اور زندہ رہتا تو اس حکومت کو آگ لگا دیتا جس نے مجھے بار بار سچائی سے ہٹایا، حقیقت یہ ہے کہ ایک نیکی ساری حکومت سے بہتر ہے، مگر افسوس کہ اس وقت مجھے اس کا یقین ہوا جب موت اپنے چنگل میں لے چکی ہے۔

تاہم خطاب عام کے موقع پر کنگ چارلس نے اپنے ماضی کے وعدہ کو یاد رکھا اور واضح کیا کہ میں مختلف مذاہب، نظریات اور پس منظر سے تعلق رکھنے والوں کے جذبات کا احترام کروں گا، کیونکہ برطانیہ اس وقت کثیر الثقافتی ملک ہے، تمام کے جذبات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ 'ایں ہم غنیمت است' ہم نئے بادشاہ سے خیر کی توقع رکھتے ہیں۔

ربیع الاوّل میں درپیش مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ 12 ربیع الاوّل کو میلاد النبی ﷺ منانے کا ہے ۔ چنانچہ بہت سارے مسلمان نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے ہر سال ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو 'عید میلاد النبی ﷺ اور جشن مناتے ہیں۔ عمارتوں پر چراغاں کیا جاتا اور جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں، نعت خوانی کے لئے محفلیں منعقد کی جاتیں اور بعض ملکوں میں سرکاری طور چھٹی بھی کی جاتی ہے۔

مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا قرآن وحدیث میں 'جشن میلاد 'کا کوئی ثبوت ہے؟ کیا نبی کریم ﷺ نے اپنا میلاد منایا یا اس کی ترغیب دلائی ؟ کیا آپ ﷺ کے خلفائے راشدین میں سے کسی نے اپنے دورِ خلافت میں میلاد کے حوالے سے جشن منایا یا یومِ ولادت کو عید کا دن قرار دیا؟ کیا قرونِ اولیٰ میں اِس 'عید 'کا کوئی تصور تھا؟

اگر قرآن وحدیث اور قرونِ اولیٰ کی تاریخ کا پوری دیانتداری کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو ہمیں ان تمام سوالات کے جوابات کچھ یوں ملتے ہیں :

1۔ قرآن وحدیث میں جشن یا عید میلاد کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

2۔ نہ نبی کریم ﷺ نے اپنا میلاد منایا اور نہ اس کی ترغیب دلائی۔

3۔ پھر خلفاے راشدین میں سے کسی نے اپنے دورِ خلافت میں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے کوئی جشن سرکاری طور پر یا غیر سرکاری طور پر نہیں منایا اور نہ ہی یومِ ولادت کو عید کا دن قرار دیا۔ حالانکہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ انھیں نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت تھی اور اگر وہ چاہتے تو ایسا کرسکتے تھے کیونکہ حکومت اُن کے ہاتھوں میں تھی۔

4۔ قرونِ اولیٰ یعنی صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ جنہیں نبی کریم ﷺ نے بہترین لوگ قرار دیا، اُس زمانے میں لوگوں کے ہاں اِس عید کا کوئی تصور نہ تھا اور نہ ہی وہ یہ جشن مناتے تھے۔

5. اِس پر مستزاد یہ کہ اِس اُمت کے معتبر ائمہ دین کے ہاں بھی نہ اس عید کا کوئی تصور تھا اور نہ وہ اُسے مناتے تھے اور نہ ہی وہ اپنے شاگردوں کو اِس کی تلقین کرتے تھے۔

جشن عید میلاد النبی ﷺ کا موجد

جشن عید میلاد النبی کی ابتدا ابوسعید کوکبوری بن ابی الحسن علی بن محمد الملقّب الملک المعظم مظفر الدین اربل (موصل، متوفی 18 /رمضان 630ء) نے کی۔ یہ بادشاہ ان محفلوں میں بے دریغ پیسہ خرچ کرتا اور آلاتِ لہو و لعب کے ساتھ راگ ورنگ کی محفلیں منعقد کرتا تھا۔

مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

”اہلِ تاریخ نے صراحت کی ہے کہ بادشاہ بھانڈوں اور گانے والوں کو جمع کرتا اور گانے کے آلات سے گانا سنتا اور خود ناچتا۔ ایسے شخص کے فسق اور گمراہی میں کوئی شک نہیں ہے ۔ اس جیسے کے فعل کو کیسے جائز اور اس کے قول پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے !“ (فتاویٰ رشیدیہ: ص132)

نیز کہتے ہیں :

”اس فسق کی مختصر کیفیت اور اس بدعت کی ایجاد یہ ہے کہ مجلس مولود کے اہتمام میں بیس قبے لکڑی کے بڑے عالی شان بنواتا اور ہر قبہ میں پانچ پانچ طبقے ہوتے ۔ ابتدائے ماہِ صفر سے ان کو مزین کرکے ہر طبقہ میں ایک ایک جماعت راگ گانے والوں، ٹپہ خیال گانے والوں، باجے، کھیل تماشے اور ناچ کود کرنے والوں کی بٹھائی جاتی اور بادشاہ مظفر الدین خود مع اراکین وہزارہا مخلوق قرب وجوار کے ہر روز بعد از عصر ان قبوں میں جاکر ناچ رنگ وغیرہ سن کر خوش ہوتا اور خود ناچتا۔ پھر اپنے قبہ میں تمام رات رنگِ لہو ولعب میں مشغول ہورہتا اور دو روز قبل ایامِ مولود کے اونٹ، گائیں، بکریاں بے شمار طبلوں اور آلاتِ گانے والہو کے ساتھ جتنے اس کے یہاں تھے، نکال کر میدان میں ان کو ذبح کراکر، ہر قسم کے کھانوں کی تیاری کراکر مجالسِ لہو کو کھلاتا اور شبِ مولود کی کثرت سے راگ قلعہ میں گواتا تھا۔ یہ تو تھا اِس کا موجد ۔ اور جہاں تک اِس کے جواز کا فتوی دینے والے شخص کا نام ہے، تو وہ ہے: ابوالخطاب عمر بن الحسن المعروف بابن دحیہ کلبی متوفی 633ھ۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص132)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”بن نجار کہتے ہیں کہ میں نے تمام لوگوں کو اسکے جھوٹ اور ضعیف ہونے پر متفق پایا۔

وہ ائمہ دین اور سلف صالحین کی شان میں گستاخی کرنے والا اور خبیث زبان والا تھا۔ بڑا احمق اور متکبر تھا اور دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ تھا۔

یہ وہ شخص تھا جس نے ملکِ اربل کو جب محفل میلاد منعقد کرتے دیکھا تو نہ صرف اس کے جواز کا فتوٰی دیا

بلکہ اس کے لئے مواد جمع کر کے ایک کتاب بنام التنویر فی مولد السراج المنیر بھی لکھ ڈالی۔ اسے اُس نے بادشاہِ اربل کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے اس کے صلہ میں اس کو ایک ہزار اشرفیوں کا انعام دیا۔
اِن تمام حقائق سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کی مناسبت سے جشن منعقد کرنے کا آغاز آنحضور ﷺ کی وفات کے تقریباً چھ سو سال بعد کیا گیا۔ لہٰذا آپ ذرا غور کریں کہ جب اِس جشن کا نہ قرآن وحدیث میں ثبوت ملتا ہے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل میں اِس کا وجود نظر آتا ہے، نہ قرونِ اولیٰ کی پوری تاریخ میں اِس کا تصور پایا جاتا ہے اور نہ ائمہ دین اِس کے قائل تھے تو پھر آج کے مسلمان اِس کے منانے پر کیوں بضد ہیں؟ کیا اُن سب حضرات کو نبی کریم ﷺ سے محبت وعقیدت نہ تھی جس کا دعوٰی اِس دور کے لوگ کر رہے ہیں؟ اگر تھی اور یقیناً اِن لوگوں سے کہیں زیادہ تھی تو انھوں نے آپ ﷺ کا یوم ولادت کیوں نہ منایا؟ (لسان المیزان:2/295)

یہاں ایک اور بات نہایت اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو کام بطورِ عبادت نہیں کیا وہ قطعًا دین کا حصہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی مسلمان کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اسے دین سمجھ کر یا کارِ خیر تصور کرتے ہوئے سرانجام دے۔ مثلاً آپ ﷺ نے نمازِ عیدین اور نمازِ جنازہ کے لئے اذان نہیں کہلوائی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں اِس کا کوئی وجود تھا۔ جب آپ ﷺ نے نہیں کہلوائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں اِس کا کوئی وجود نہ تھا تو قیامت تک کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے دین کا حصہ یا عبادت تصور کرے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اذان میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور ذکر اللہ نہیں ہے؟ یقیناً اذان اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی بڑائی پر مشتمل ہے لیکن نمازِ عیدین اور نمازِ جنازہ سے پہلے مشروع نہیں ہے۔ اسی طرح 'جشن میلاد' کا مسئلہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ جشن نہیں منایا اور نہ ہی آپ ﷺ کے خلفاے راشدین نے منایا تو قیامت تک اسے دین کا حصہ یا کارِ ثواب تصور کرنا درست نہیں ہے۔

اسی لئے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے:
«كُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ يَتَعَبَّدْهَا أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَلاَ تَعْبُدُوْهَا» (وفیات الأعیان لابن خلکان: 3/449)
ہر وہ عبادت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں کرتے تھے اُسے تم بھی عبادت سمجھ کر نہ کیا کرو۔
اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے:
«اِتَّبِعُوْا وَلاَ تَبْتَدِعُوْا فَقَدْ كُفِيْتُمْ، عَلَيْكُمْ بِالْأَمْرِ الْعَتِيْقِ» (حجۃ النبی ﷺ از امام البانی: ص 100؛ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: 372)
"تم اتباع ہی کیا کرو اور (دین میں) نئے نئے کام ایجاد نہ کیا کرو، کیونکہ تمھیں اس سے بچا لیا گیا ہے۔ اور تم اُسی امر کو لازم پکڑو جو پہلے سے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے) موجود تھا۔"
ہم نے اب تک جو لکھا ہے اگرچہ یہ ایک سنجیدہ اور دیانتدار آدمی کو سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ شریعت میں مروّجہ عید میلا النبی ﷺ کی کوئی حیثیت نہیں۔ تاہم اِس کی مزید وضاحت کے لئے اب ہم کچھ ایسے اصول بیان کرنا چاہتے ہیں جن پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور ان کی بنا پر اِس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہ ہو گا کہ مروّجہ عید میلاد النبی دین میں ایک نیا کام (بدعت) ہے:

1۔ اسلام ایک مکمل دین ہے:

اسلام کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیّت یہ ہے کہ یہ ایک مکمل دین ہے اور اس میں زندگی کے تمام شعبوں میں پیش آنے والے مسائل کے متعلق واضح تعلیمات موجود ہیں۔ اس لئے شارع نے اس میں کمی بیشی کرنے کی کسی کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی... لیکن افسوس ہے کہ آج مسلمان نہ صرف اسلام کی ثابت شدہ تعلیمات سے انحراف کرتے جا رہے ہیں بلکہ غیر ثابت شدہ چیزوں کو اس میں داخل کر کے انہی کو اصل اسلام تصور کر بیٹھے ہیں۔ حالانکہ جب دین مکمّل ہے اور اس کی ہدایات واضح، عالمگیر اور ہمیشہ رہنے والی ہیں تو نئے نئے کاموں کو ایجاد کر کے اُنھیں اس کا حصہ بنا دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:
﴿اليَومَ أَكمَلتُ لَكُم دينَكُم وَأَتمَمتُ عَلَيكُم نِعمَتي وَرَضيتُ لَكُمُ الإِسلٰمَ دينًا﴾ (سورۃ المائدۃ:3)
آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور اسلام کو بحیثیتِ دین تمھارے لئے پسند کر لیا۔
سو اللہ ربّ العزت کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمارا دین ہمارے لئے مکمل کر دیا، ورنہ اگر اسے نامکمل چھوڑ دیا جاتا تو ہر شخص جیسے چاہتا اس میں کمی بیشی کر لیتا اور یوں دین لوگوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ جاتا۔ اللہ ربّ العزت کے اس عظیم احسان کی قدر وقیمت کا اندازہ آپ صحیحین کی ایک روایت سے کر سکتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک یہودی عالم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! کتاب اللہ (قرآن مجید) میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر ہم یہودیوں کی جماعت پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو بطورِ عید مناتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ آیت کونسی ہے؟ تو اس نے کہا:
﴿اليَومَ أَكمَلتُ لَكُم دينَكُم وَأَتمَمتُ عَلَيكُم نِعمَتي وَرَضيتُ لَكُمُ الإِسلٰمَ

دینًا﴾(سورۃ المائدۃ: 3)

تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آیت عید کے دن ہی نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ عرفات میں تھے اور وہ دن جمعۃ المبارک کا دن تھا۔

تو یہودی عالم نے یہ بات کیوں کہی تھی کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو یومِ عید تصور کرکے اس میں خوشیاں مناتے؟ اس لئے کہ وہ دین کے مکمل ہونے کی قدر وقیمت کو جانتا تھا جبکہ بہت سارے مسلمان اس سے غافل ہیں اور ایسے ایسے اُمور میں منہمک اور مشغول ہو کر رہ گئے ہیں کہ جنھیں وہ دین کا حصہ تصور کرتے ہیں حالانکہ دین ان سے قطعی طور پر بری ہے۔

2۔ نبی کریم ﷺ نے ہر خیر کا حکم دے دیا تھا

یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ اللہ کا یہ مکمل دین رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوا اور بلاریب آپ ﷺ نے اسے اپنی اُمّت تک مکمل طور پر پہنچا دیا تھا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«مَا تَرَكْتُ شَيْأً يُقَرِّبُكُمْ إِلَى اللهِ وَيُبْعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ إِلاَّ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئاً يُقَرِّبُكُمْ إِلَى النَّارِ وَيُبْعِدُكُمْ عَنِ اللهِ إِلَّا وَنَهَيْتُكُمْ عَنْهُ»

"میں نے تمھیں ہر اس بات کا حکم دے دیا ہے جو تمھیں اللہ کے قریب اور جہنم سے دور کردے، اور تمھیں ہر اس بات سے روک دیا ہے جو تمھیں جہنم کے قریب اور اللہ سے دور کردے۔"

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا بَقِيَ شَيْئٌ يُقَرِّبُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ إِلاَّ وَقَدْ بُيِّنَ لَكُمْ» (سلسلہ صحیحہ: 1803)

"ہر وہ چیز جو جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی ہے اسے تمھارے لئے بیان کردیا گیا ہے۔"

نیز فرمایا:

«مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا أَمَرَكُمُ اللهُ بِهِ إِلاَّ قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا نَهَاكُمْ عَنْهُ إِلاَّ قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ» (سلسلہ صحیحہ: 1803)

"اللہ تعالیٰ نے تمھیں جن کاموں کا حکم دیا ہے میں نے بھی ان سب کا تمھیں حکم دے دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں جن کاموں سے منع کیا ہے میں نے بھی ان سب سے تمھیں منع کردیا ہے۔"

ان احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خیر و بھلائی کا کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جس کا آپ نے اُمّت کو حکم نہ دیا ہو۔ اور شر اور برائی کا کوئی عمل ایسا نہیں چھوڑا جس سے آپ نے اُمّت کو روک نہ دیا ہو۔ لہٰذا یہ جاننے کے بعد اب اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں کہ ہر وہ عمل جو لوگوں کے نزدیک خیر وبھلائی کا عمل تصور کیا جاتا ہو وہ اس وقت تک خیر وبھلائی کا عمل نہیں ہوسکتا جب تک رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی حکم یا ترغیب ثابت نہ ہو۔ اسی طرح برا عمل ہے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی فرمان ثابت نہ ہو وہ برا تصور نہیں ہوگا۔ گویا خیر وشر کے پہچاننے کا معیار رسول اللہ ﷺ ہیں، کسی کا ذوق ورغبت نہیں کہ جس کا جی چاہے دین میں اپنے زُعم کے مطابق خیر کے کام داخل کرتا رہے یا اپنی منشا کے مطابق کسی عمل کو برا قرار دے دے۔

پھر یہ بات بھی سوچنی چاہئے کہ کیا نئے نئے کاموں کو ایجاد کرکے دین میں شامل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ رسول اللہ ﷺ نے (معاذ اللہ) پورا دین لوگوں تک نہیں پہنچایا تھا اور بعض خیر کے کام ان سے اور ان کے اوّلین ماننے والوں سے چھوٹ گئے تھے جس کی بنا پر اب بھی دین میں کمی بیشی کی گنجائش موجود ہے؟ یقیناً یہ بات لازم آتی ہے۔ اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

«مَنِ ابْتَدَعَ فِي الإِسْلَامِ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ خَانَ الرِّسَالَةَ، اِقْرَؤُا قَوْلَ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﴿اليَومَ أَكمَلتُ لَكُم دِينَكُم وَأَتمَمتُ عَلَيكُم نِعمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسلٰمَ دِينًا﴾ سورۃ المائدۃ" لَنْ يَصْلُحَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ إِلاَّ بِمَا صَلُحَ بِهِ أَوَّلُهَا، فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِيْنًا لاَ يَكُوْنُ الْيَوْمَ دِيْنًا»

"جس نے اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کی، پھر یہ خیال کیا کہ یہ اچھائی کا کام ہے تو اس نے گویا یہ دعویٰ کیا کہ محمد ﷺ نے رسالت (اللہ کا دین پہنچانے) میں خیانت کی تھی (یعنی پورا دین نہیں پہنچایا تھا) تم اللہ کا یہ فرمان پڑھ لو: (ترجمہ) آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور اسلام کو بحیثیتِ دین تمھارے لئے پسند کرلیا۔"

پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس اُمّت کے آخری لوگ بھی اسی چیز کے ساتھ درست ہوسکتے ہیں جس کے ساتھ اس اُمّت کے پہلے لوگ درست ہوئے تھے۔ اور جو عمل اس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتا۔" (صحیح بخاری: 45؛ صحیح مسلم: 3017)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان: "جو عمل اس وقت دین نہیں تھا، وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتا۔" قیامت تک کے لوگوں کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور ہر دینی مسئلہ کا ثبوت قرونِ اُولیٰ سے ڈھونڈنا چاہئے۔ اگر اس کا ثبوت اس وقت سے مل جائے تو اس پر عمل کرلیا جائے ورنہ اسے قطعًا دین کا تصور نہ کیا جائے۔ (الاعتصام از شاطبی: 2/49؛ الوجیز فی عقیدۃ السلف (اہل السنۃ والجماعۃ) از عبداللہ بن عبدالحمید اثری: 1/161)

3۔ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ متقی اور سب سے بڑے عبادت گذار تھے!

اس حقیقت سے کسی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا کہ

رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ متقی اور سب سے بڑے عبادت گذار تھے۔اس لئے آپ ﷺ سے ثابت شدہ عبادات پر ہی عمل کرنا چاہئے اور کسی نئ عبادت کو دین میں شامل کرکے ان سے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے۔

صحیحین میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کے ہاں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات سے آپ ﷺ کی عبادات کے متعلق سوال کیا۔ چنانچہ اُنھوں نے اس کے بارے میں انھیں مطلع کیا تو وہ آپ ﷺ کی عبادت کو (اپنے نظریے سے) کم تصور کرنے لگے اور کہنے لگے: ہم کہاں نبی اکرم ﷺ کے برابر ہو سکتے ہیں، ان کی تو اللہ ربّ العزت نے اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف فرمادی ہیں! پھر ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ ساری رات کا قیام کرتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔ اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ان کی یہ باتیں نبی کریم ﷺ تک پہنچیں تو آپ اُن کے پاس آئے اور فرمایا:

«أَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّي أَصُوْمُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّيْ وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»

”کیا وہ تم ہو جنھوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ تمھیں جاننا چاہئے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں۔ میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ لہٰذا جو شخص میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہوگا۔“ (صحیح بخاری: 5063)

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے پہلے اپنی اس حیثیت کو ذکر فرمایا کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ متقی اور سب سے بڑا عبادت گذار ہوں۔ پھر آپ نے اپنے طریقہ کار کی وضاحت فرمائی اور اس کے بعد یہ اعلان فرمایا کہ میرے اِس طرزِ عمل سے منہ پھیر کر کوئی اور طرزِ عمل اختیار کرنے والے شخص کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔اِس سے ثابت ہوا کہ صرف اُن عبادات پر عمل کرنا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوں اور کسی ایسے عمل کو عبادت تصور نہیں کرنا چاہئے جس کا آپ ﷺ سے ثبوت نہ ملتا ہو۔

یہ تینوں اُصول ہمیں یہ بات سمجھانے کیلئے کافی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دین میں کسی قسم کی کمی بیشی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اور یہ کہ دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنا اور ان پر عمل کرنا حرام ہے۔

اور انہی تین اصولوں کی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ مروّجہ عید میلاد النبی ﷺ کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ دین کا حصہ ہے۔کیونکہ اگر یہ دین کا حصّہ ہوتا تو قرآن وحدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے اس کا کوئی ثبوت ضرور ملتا اور اس کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ اپنی اُمّت کو واضح تعلیمات دیتے جیسا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے بارے میں آپ ﷺ نے واضح تعلیمات ارشاد فرمائیں۔

نبی کریم ﷺ کی تعریف میں غلوّ

اگر دوسرے پہلو سے محفلِ میلاد کا جائزہ لیا جائے تو یہ بدعت ہونے کے ساتھ منکرات کو بھی اپنے پہلو میں سمائے ہوئے ہے مثلاً مرد و زن کا اختلاط، آلاتِ موسیقی کا اِستعمال، طبلے اور ڈھولک کی تال پر نوجوانوں کا رقص اور اِس جیسی بیسیوں قباحتیں موجود ہیں جو محفل میلاد کے نام پر ثواب سمجھ کر اختیار کی جاتی ہیں۔اور پھر ان محفلوں میں سب سے بڑے گناہ (شرک) کا ارتکاب کرنے کے کئی مناظر بھی دکھائی دیتے ہیں۔

مدحِ رسول ﷺ میں غلو سے کام لیا جاتا ہے۔غیر اللہ سے فریاد رسی اور مدد طلب کی جاتی ہے اور اِس اعتقاد کو بابانگِ دُہل بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ غیب بھی جانتے تھے۔حالانکہ یہ اللہ کا وصف اور اسی کا خاصہ ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ»

دین میں غلو کرنے سے بچو، تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو ہی نے تباہ کیا۔ (سنن نسائی: 3057، ابن ماجہ: 3029)

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

«لَاَ تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهُ» (صحیح بخاری: 3445)

”میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم (عیسیٰ) کی تعریف میں حد سے تجاوز کیا۔ بے شک میں ایک بندہ ہوں، لہٰذا تم بھی ”اللہ کا بندہ اور اس کا رسول“ ہی کہو۔“

رسولِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری

میلاد منانے والے حضرات کا خیال ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ محفلِ میلاد میں بذاتِ خود تشریف لاتے ہیں اور اس بنا پر وہ آپ ﷺ کو سلام اور خوش آمدید کہنے لے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔جبکہ یہ بہت بڑا جھوٹ اور بدترین جہالت ہے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ وفات پاچکے ہیں اور آپ کی مُبارک رُوح اعلیٰ علیین دارالکرامۃ میں اپنے ربِّ عظیم کے پاس ہے۔ اور آپ قیامت سے پہلے اپنی قبر مُبارک سے

باہر نہیں آئیں گے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مومنون میں ارشاد فرمایا: ﴿ثُمَّ إِنَّكُم بَعدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُم يَومَ القِيٰمَةِ تُبعَثونَ﴾ (سورۃ المؤمن: 15-16)

پھر اس کے بعد تم مر جاتے ہو پھر تمھیں قیامت کے روز اُٹھایا جائے گا۔

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ، وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ»

"میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر کا منہ کھولا جائے گا۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔" (صحیح مسلم: 2278)

کیا دین میں بدعتِ حسنہ کا وجود ہے؟

دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنا جن کا قرآن و حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے کوئی ثبوت نہ ملتا ہو نہایت خطرناک امر ہے۔ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، ایسے کام کرنے والے لوگ قیامت کے روز نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کے پانی سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار نصیحت کرنے کیلئے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے من جملہ باتوں کے یہ بھی ارشاد فرمایا:

«أَلاَ وَ إِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ، أَصْحَابِي؟ فَيُقَالُ: إِنَّكَ لاَ تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ» (صحیح بخاری: 6526؛ صحیح مسلم: 2860)

"خبر دار! میری اُمّت کے کچھ لوگوں کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور انھیں بائیں طرف (جہنم کی جانب) دھکیل دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے پروردگار! یہ تو میرے ساتھی ہیں؟ تو کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے کام دین میں ایجاد کر لئے تھے!"

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِيْ الْحَوْضَ، حَتَّى إِذَا عَرَفْتُهُمْ اِخْتَلَجُوْا دُوْنِيْ فَأَقُوْلُ: أَصْحَابِيْ، فَيُقَالُ لِيْ: لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ» (صحیح بخاری: 6582)

"میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ ضرور بالضرور حوض پر میرے پاس آئیں گے، یہاں تک کہ میں جب انھیں پہچان لوں گا تو اُنھیں مجھ سے دور دھکیل دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: یہ تو میرے ساتھی ہیں! تو مجھے کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئے کام ایجاد کئے تھے۔"

معلوم ہوا کہ دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے والے لوگ قیامت کے روز نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کے پانی سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ایجادِ بدعات سے اجتناب کرتے ہوئے سنتِ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرے۔ اور چاہے خوشی ہو یا غمی کسی بھی صورت میں آپ ﷺ کے طریقے سے انحراف نہ کرے، اسی میں اس کی خیر و بھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین!

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ اگر بدعت ہے تو یہ بدعتِ سیئہ نہیں بلکہ بدعتِ حسنہ ہے! جبکہ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ دین میں ہر نیا کام بدعتِ سیئہ اور گمراہی ہے خواہ وہ بظاہر کارِ خیر کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ہر خطبۂ حاجت میں ارشاد فرماتے تھے:

«أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»

"حمد و ثنا کے بعد! یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور سب سے برے اُمور وہ ہیں جنھیں دین میں نیا ایجاد کیا جائے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (صحیح مسلم: 867)

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس کام کا کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں ثبوت نہ ہو اور اسے دین میں ایجاد کیا گیا ہو وہ سب سے برا کام ہے چاہے وہ لوگوں کی نظر میں کتنا اچھا کیوں نہ ہو۔ اور دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ذرا سوچیں کہ اگر کارِ خیر کے نام پر دین میں کوئی نیا کام ایجاد کرنا جائز ہوتا تو رسول اکرم ﷺ اُن تین اشخاص کو تنبیہ کیوں کرتے جن میں سے ایک نے پوری رات قیام کرنے، دوسرے نے ہمیشہ روزے رکھنے اور تیسرے نے عورتوں سے شادی نہ کرنے کا عزم کیا تھا؟ کیا ان کے عزائم خیر کے کاموں کے متعلق نہ تھے؟ کیا ان تینوں اشخاص نے کسی برے عمل کا ارادہ کیا تھا کہ اس پر آپ ﷺ نے اُنھیں سخت تنبیہ کی؟ یقیناً انہوں نے خیر کے کاموں کا ہی ارادہ کیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اُن کے ان عزائم کی تردید کر دی کیونکہ وہ اگرچہ خیر کے کاموں کے متعلق ہی تھے مگر آپ ﷺ کے طریقے سے ہٹ کر تھے اور گویا آپ ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش ہو رہی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ بدعتِ حسنہ نام کی کوئی چیز اسلام میں موجود نہیں ہے۔ اور جب تک خیر کا کوئی عمل رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے ثابت نہ ہو اس وقت تک وہ نہ خیر کہلا سکتا ہے اور نہ ہی وہ دین کا حصہ ہوتا ہے۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری:2697، صحیح مسلم:1718)

”جس شخص نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس سے نہیں تھا، وہ مردود ہے۔“

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

”جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں، وہ مردود ہے۔“ (صحیح بخاری:2697)

اِس حدیث سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ دین میں ہر نیا کام اور ہر نیا طریقہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔ ایک مرتبہ سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور ان سے کہا: میں نے ابھی مسجد میں ایک چیز دیکھی ہے جسے میں درست نہیں سمجھتا حالانکہ میں نے الحمد للہ خیر ہی کو دیکھا ہے! اُنھوں نے کہا: وہ کیا ہے؟

ابو موسی نے کہا: آپ خود جب مسجد میں جائیں گے تو آپ بھی دیکھ لیں گے۔ میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ مختلف حلقوں میں بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے ہیں، ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ہر حلقہ میں ایک آدمی باقی لوگوں سے کہتا ہے کہ تم سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، تو وہ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ تم سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھو، تو وہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ اب تم سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھو تو وہ سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھتے ہیں!

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے یہ سب کچھ دیکھ کر اُن سے کیا کہا؟

اُنھوں نے جواب دیا: میں نے آپ کی رائے کے انتظار میں انھیں کچھ بھی نہیں کہا۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے انھیں یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنے گناہوں کو شمار کریں (نہ کہ نیکیوں کو) اور آپ انھیں ضمانت دیتے کہ تمھاری نیکیوں میں سے کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی!

پھر سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اور اُن حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس جا کر فرمایا: یہ تم کیا کر رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: ابو عبد الرحمٰن! یہ کنکریاں ہیں جن کے ذریعے ہم اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کی تسبیحات شمار کر رہے ہیں!

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنی برائیاں شمار کرو اور میں تمھیں ضمانت دیتا ہوں کہ تمھاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ پھر فرمایا:

«وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، مَا أَسْرَعَ هَلَكَتُكُمْ، هٰؤُلاَءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ مُتَوَافِرُوْنَ وَهٰذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلُ وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ، وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَعَلٰى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدٰى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابَ ضَلاَلَةٍ»

”افسوس ہے تم پر اے امتِ محمد ﷺ، تم کتنی جلدی ہلاکت کی طرف چل دیئے! یہ تمھارے نبی ﷺ کے صحابہ ابھی بکثرت موجود ہیں، اور آپ ﷺ کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ کے برتن ابھی ٹوٹے ہیں، اُس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم محمد ﷺ کے طرزِ عمل سے بہتر طرزِ عمل پر ہو یا تم گمراہی کا ایک دروازہ کھول رہے ہو!“

لوگوں نے کہا: وَاللهِ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ

ابو عبد الرحمٰن! اللہ کی قسم ہم نے تو خیر کا ہی ارادہ کیا تھا۔

اُنھوں نے فرمایا:

وَكَمْ مِنْ مُرِيْدٍ لِلْخَيْرِ لَن يُّصِيْبَهُ

”کتنے لوگ ہیں جو خیر کا ارادہ کرتے ہیں لیکن وہ خیر کو ہرگز نہیں پاسکیں گے۔“ (سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ: 2005)

ذرا غور کیجئے، کیا تسبیحات کا پڑھنا برا عمل تھا؟ یقیناً یہ برا عمل نہ تھا اور نہ ہی سیدنا عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہ نے تسبیحات پڑھنے پر اُنھیں برا بھلا کہا، بلکہ ان کے لب و لہجہ میں جو سختی تھی وہ اس لئے تھی کہ انھوں نے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی سنتِ طیبہ اور صحابہ کرام کے طرزِ عمل سے ہٹ کر تسبیحات پڑھتے ہوئے دیکھا، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کنکریوں کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیحات کو شمار کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ حلقوں میں بیٹھ کر اجتماعی شکل میں نہیں بلکہ انفرادی طور پر الگ الگ تسبیحات پڑھتے تھے۔ تو ان کا یہ عمل اگرچہ لوگوں کی نظر میں کارِ خیر تھا، لیکن چونکہ رسول اکرم ﷺ کی سنّت سے ہٹ کر تھا اس لئے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُنھیں نہایت سخت الفاظ میں تنبیہ کی۔ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ چلیں ٹھیک ہے، کوئی بات نہیں، کیونکہ یہ عملِ خیر ہی ہے، بلکہ انھوں نے اسے گمراہی کا ایک دروازہ کھولنے کے مترادف قرار دیا۔ لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ دین میں کوئی بدعتِ حسنہ نہیں ہے، ہر بدعت بری ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ منانے والوں کے کچھ دلائل اور ان کا جواب

میلاد منعقد کرنے والے عموماً پانچ دلیلیں دیتے ہیں:

1. میلاد سالانہ یادگار ہے اور اُس کے منانے سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان رسول

اللہ ﷺ کو دن میں دسیوں مرتبہ یاد نہ کرتا ہو تو اس کے لئے سالانہ یا ماہانہ یادگاری محفلیں منعقد کی جائیں جن میں وہ اپنے نبی کو یاد کر سکے اور آپ ﷺ کے ساتھ اپنی محبّت کا اظہار کر سکے۔ لیکن اگر مسلمان رات اور دن میں دسیوں مرتبہ آپ ﷺ کو یاد کرتا اور ان پر درود وسلام پڑھتا رہتا ہو تو اس مقصد کے لئے سالانہ محفلیں منعقد کرنا چہ معنی دارد؟

2۔ میلاد میں شمائلِ محمدیہ اور آپ ﷺ کے نسب شریف کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

جواب: اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے خصائل وفضائل کو سال میں ایک مرتبہ سن لینا کافی نہیں ہے، ایک مرتبہ سن لینا کیسے کافی ہو سکتا ہے جبکہ آپ ﷺ کی سیرت ایسی ہے جس کو سال بھر سنتے اور سیکھتے رہنا ضروری اور ناگزیر ہے۔

3۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش پر اظہارِ خوشی ایمان کی دلیل ہے۔

جواب: یہ دلیل بھی بالکل بے معنیٰ ہے کیونکہ سوال یہ ہے کہ خوشی رسول اللہ ﷺ کی ہے یا اس دن کی ہے جس میں آپ کی پیدائش ہوئی؟ اگر خوشی آپ ﷺ کی ہے تو یہ ہمیشہ ہونی چاہئے اور کسی ایک دن کی ساتھ خاص نہیں ہونی چاہئے۔ اور اگر خوشی اس دن کی ہے جس دن آپ پیدا ہوئے تو یہی وہ دن ہے جس میں آپ ﷺ کی وفات بھی ہوئی، تو محبوب کی موت کے دن خوشی منانا کونسی عقل مندی ہے؟

4. میلاد میں لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے جس میں بڑا اجر وثواب ہے۔

جواب: یہ دلیل تو سب سے زیادہ کمزور ہے کیونکہ کھانا کھلانے کی ترغیب سال میں کسی ایک دن کے لئے نہیں بلکہ پورے سال کے لئے ہے۔

5۔ میلاد میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اور آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے۔

جواب: یہ دلیل بھی پہلی چاروں دلیلوں کی طرح باطل ہے، کیونکہ قرآن کی تلاوت کے لئے اور آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کیلئے اکٹھا ہونا از خود ایک بدعت ہے۔ اسکے علاوہ طرب انگیز آواز میں مدحیہ اشعار وقصائد پڑھنا اور آنحضور ﷺ کی تعریف میں غلو کرنا بھی غلط ہے۔

یہ پانچوں دلیلیں اس لئے بھی ناکافی ہیں کہ اگر اُنھیں درست مان لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ سے (نعوذ باللہ) چوک ہوگئی تھی اور آپ ﷺ نے اپنی پیدائش کے دن ان چیزوں کی طرف رغبت نہ دلائی جس کی تلافی یہ میلاد منانے والے کرتے ہیں!!

میلاد کو جائز قرار دینے والوں کے چند کمزور شبہات

1. شبہ: ایک واقعہ منقول ہے کہ بدنصیب ابو لہب کو خواب میں دیکھا گیا۔ خیریت پوچھی گئی تو کہا کہ آگ کے عذاب میں مبتلا ہوں، البتہ ہر دوشنبہ کی رات کو عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے اور اپنی دو اُنگلیوں کے درمیان سے انگلی کے سرے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ اتنی مقدار میں پانی چوس لیتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کو اس کی باندی ثویبہ نے جب آپ ﷺ کی پیدائش کی خبر دی تھی تو اس نے خوشی میں آکر اپنی اس باندی کو آزاد کر دیا تھا۔

ازالہ: اس کا جواب یہ ہے کہ

1۔ کسی کے خواب سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

2۔ دوسرا یہ کہ یہ روایت مرسل ہے جو نا قابلِ حجت ہوتی ہے۔

3۔ تیسرا یہ کہ سلف اور خلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کافر اگر کفر کی حالت میں مر جائے تو اس کو اس کے نیک اعمال کا ثواب نہیں ملے گا۔

4۔ چوتھا یہ کہ ابو لہب کی خوشی ایک طبعی خوشی تھی، تعبدی خوشی نہ تھی اور اگر خوشی اللہ کے لئے نہ ہو تو اس پر ثواب نہیں ملتا ہے۔

5۔ پانچواں یہ کہ مؤمن کو آپ ﷺ کی پیدائش پر ہمیشہ خوش ہونا چاہئے، اس کے لئے آپ ﷺ کے یومِ پیدائش کو خاص کرنا درست نہیں ہے۔

2. شبہ: روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا عقیقہ خود کیا تھا اور چونکہ آپ کے دادا نے بھی آپ کا عقیقہ کر دیا تھا اور عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا تو اصل میں آپ ﷺ نے اپنی ولادت کا شکرانہ ادا کرنے کیلئے عقیقہ کیا۔ لہٰذا اُمّت کو بھی آپ کی ولادت کے دن کھانے پینے کا انتظام بطورِ خاص کرنا چاہئے۔

ازالہ: اس کا جواب یہ ہے:

1۔ یہ روایت کمزور ہے اور امام نووی نے اسے باطل حدیث قرار دیا ہے۔

2۔ اور اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس میں یہ کہاں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ عقیقہ اپنی ولادت پر شکریہ ادا کرنے کے لئے کیا تھا؟ یہ تو محض اپنے گمان پر مبنی ہے اور گمان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی:

﴿إِنَّ الظَّنَّ لا يُغنى مِنَ الحَقِّ شَيئًا﴾ (سورة النجم: 28)

3۔ اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تو ایک ہی بار عقیقہ کیا تھا، ہر سال تو نہیں کیا تھا! جبکہ میلاد منانے والے تو ہر سال میلاد مناتے ہیں!

3. شبہ: صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشورا کے دن روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا اور آپ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ ایک اچھا دن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی... الخ۔

لہٰذا جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرئیل کی نجات کے شکریہ میں آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور

مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو ہم بھی آپ ﷺ کے یومِ ولادت کو روزہ کا دن نہیں بلکہ کھانے پینے اور جشن منانے کا دن بنائیں!!

ازالہ: کس قدر عجیب ہے یہ بات؟ اگر اس حدیث کو دلیل بنانا تھا تو اس کے مطابق روزہ رکھنے کی بات کرتے، لیکن اُس کو تو چھوڑ دیا کیونکہ روزہ میں بھوک وپیاس کو برداشت کرنا پڑتا ہے جو یار لوگوں کے لئے بڑا مشکل امر ہے۔ اور بات کی تو کھانے پینے اور جشن منانے کی کی... کیا اللہ تعالیٰ کا شکر عیش ومستی اور دعوتیں اُڑا کر کیا جاتا ہے؟

4۔شبہ: صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ سوموار کا دن وہ دن ہے جس میں مَیں پیدا ہوا اور اسی دن مبعوث ہوا...الخ

ازالہ: اس کا جواب یہ ہے:

1۔رسول اللہ ﷺ کی نعمتِ ولادت پر شکر اسی نوع کا ہونا چاہئے جس نوع کا شکر خود رسول اللہ ﷺ نے کیا۔

2۔دوسرا یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیدائش کے دن جو بارہ ربیع الاول ہے، روزہ نہیں رکھا بلکہ آپ نے سوموار کے دن کا روزہ رکھا جو ہر مہینے میں چار پانچ مرتبہ آتا ہے۔ اس بنا پر 12 ربیع الاول کو کسی عمل کے لئے خاص کرنا اور ہر ہفتہ آنے والے سوموار کو چھوڑ دینا در اصل آپ ﷺ کی تصحیح ہے جس کا کوئی مسلمان تصور ہی نہیں کر سکتا ہے۔

3۔تیسرا یہ کہ جب آپ ﷺ نے اپنی ولادت کے شکریہ میں سوموار کا روزہ رکھا تو کیا آپ نے روزے کے ساتھ کوئی محفل اور تقریب بھی منعقد کی جیسا کہ یہ میلادی لوگ کرتے ہیں کہ لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے، مدحیہ اشعار اور نغمے پڑھے جاتے ہیں اور خصوصی کھانا پینا ہوتا ہے؟

اسلامی عیدین

میلاد منانے والے حضرات نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کو 'عید' کا دن قرار دیتے ہیں جبکہ اِس اُمّت کے اوّلین دور سے ہی اہلِ اسلام کے ہاں 'سالانہ' دو ہی عیدیں چلی آ رہی ہیں۔ جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ان لوگوں کے سال میں دو دن مقرر تھے جن میں وہ کھیلتے (خوشیاں مناتے) تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: یہ دو دن کیسے ہیں؟ اُنہوں نے کہا: زمانۂ جاہلیت سے ہم ان دنوں میں کھیلتے اور خوشی مناتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ أَبْدَلَكُمُ اللهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا: يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الأَضْحٰى» (سنن نسائی: 1556)

"اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کے بدلہ میں دو بہتر دن عطا فرما دیئے ہیں اور وہ ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن۔"

اس حدیثِ مبارک سے معلوم ہوا کہ اسلامی تہوار کے طور پر منانے کے لئے شرعی عیدیں سال میں صرف دو ہی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس کے علاوہ یومِ جمعہ کو مسلمانوں کی ہفتہ وار عید قرار دیا گیا ہے۔

جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ هَذَا يَوْمُ عِيدٍ جَعَلَهُ اللهُ لِلْمُسْلِمِيْنَ، فَمَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ، وَإِنْ كَانَ طِيبٌ فَلْيَمَسَّ مِنْهُ، وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ»

"بے شک یہ عید کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صرف مسلمانوں کے لئے (عید کا دن) بنایا ہے۔ لہٰذا جو شخص نمازِ جمعہ کے لئے آئے تو وہ غسل کرے اور اگر خوشبو موجود ہو تو ضرور لگا لے۔ اور تم پر مسواک کرنا لازم ہے۔" (سنن ابن ماجہ: 1098)

☆☆☆

شیخ القمر کون ہے؟

عثام بن علی روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام اعمش کو کہتے سنا:

" إذا رأيت الشيخ، لم يقرأ القرآن، ولم يكتب الحديث، فاصفع له، فإنه من شيوخ القمر» . قال أبو صالح: قلت لأبي جعفر: ما شيوخ القمر؟ قال: شيوخ دهريون، يجتمعون في ليالي القمر، يتذاكرون أيام الناس، ولا يحسن أحدهم أن يتوضأ للصلاة"

"جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ قرآن کریم نہیں پڑھتا اور حدیث نہیں لکھتا تو اس سے دور رہو وہ شیخ القمر ہے۔"

ابو صالح کہتے ہیں کہ

میں نے ابو جعفر (راوی) سے پوچھا: شیخ القمر کون ہے؟

آپ نے فرمایا:

"شیخ القمر اُن دہریہ لوگوں کو کہتے ہیں جو چاندنی رات میں جمع ہو کر تاریخی واقعات میں بڑی دون کی لیتے ہیں اور مسائل دینیہ میں ان کی جہالت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اچھی طرح وضوء کرنا بھی نہیں جانتے۔"

(شرف اصحاب الحدیث للخطیب: 1/67؛ والمحدث الفاصل: ص306)

پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ ہم اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں، اسی پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں اور اسی سے معافی مانگتے ہیں۔ ساری خیر اسی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ہم اللہ پاک کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں کہ اسی کے ہاتھ میں تمام معاملات کی کنجیاں اور تقدیر کی چابیاں ہیں۔ وہ نگاہوں کی چوری سے بھی واقف ہے اور دلوں کے راز بھی جانتا ہے۔ اللہ کے لیے بے انتہا، پاکیزہ اور ہمیشہ رہنے والی تعریف ہے۔ ساری تعریفیں اسی کے لیے ہیں، اور وہ اکیلا اور یکتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی وہ گواہی ہے عرض ونشور کے دن ہمیں بچا سکتی ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے روشنیوں کی طرف نکالا ہے۔ اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور سلامتی نازل فرما آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر اور صحابہ کرام پر۔ ان سب پر ہر صبح وشام متجدد ہونے والی سلامتی بھی نازل ہو۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! عبادتوں کے ذریعے اس کے قرب کے متلاشی بنو، خلوتوں میں بھی اور جلوتوں میں بھی، لفظوں میں بھی اور لحموں میں بھی، نظروں میں بھی اور خیالات میں بھی۔

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ (سورۃ البقرہ: 197)

”زادراہ لے لو، یاد رکھو کہ بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔“

فَالْبَسْ شِعَارَ التُّقَى وَالنَّدَمِ
قَبْلَ زَوَالِ الْقَدَمِ
وَاخْضَعْ خُضُوعَ الْمُعْتَرِفْ
وَلُذْ مَلَاذَ الْمُقْتَرِفْ
وَاعْصِ هَوَاكَ وَانْعَطِفْ
عَنْهُ انْعِطَافَ الْمُقْلِعِ

”موت کی لپیٹ میں آنے سے پہلے تقویٰ اور ندامت کی پوشاک پہن لو۔ اقرار کرنے والے کی سی تواضع اپناؤ، گناہ گار کی سی گریہ زاری کرو۔ اپنی خواہشات کی نافرمانی کرو اور انہیں ہمیشہ کے لیے ترک کر دو۔“

اسلامی بھائیو! دنیا میں برپا ہوتی تبدیلیوں اور اختلافات کے طوفان کے مقابلے میں اٹل ضابطوں کو تقویت پہنچانے اور شرعی اور کائناتی طریقوں کی تکمیل کرنے کے لیے، شکوک وشبہات کی بڑھتی ہوئی لہروں اور خارجی خیالات کا پھیلاؤ، اسلامی اور انسانی اصول واقدار پر سودے بازی کو دیکھتے ہوئے، فکری، امنی اور ترقیاتی چیلنجوں، آفتوں اور بحرانوں کا سامنا کرتے ہوئے، دنیا کی قومیں اور معاشرے ایسی بنیادیں اور اصول قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن کے ذریعے وہ ترقی اور خوشحالی حاصل کر سکیں، بلندیوں کو گلے لگا پا سکیں اور دوسری تہذیبوں کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ اصول ومبادی دین اور اقدار کے گرد ہی گھومتے ہیں، کیونکہ وہی فخر اور عزت کا مرکز ہیں، ان ہی کے ذریعے عزم بلند ہوتا ہے، چوٹیوں تک پہنچا جاتا ہے اور قوموں کو عروج نصیب ہوتا ہے۔

ان اصول ومبادی کی بنیاد:

ایمانِ خالص، سکون بھرا امن وامان، شاندار اقدار، واضح اعتدال اور میانہ روی، ضروری علم، اچھی تربیت، پائیدار ترقی، مفید ڈیجیٹلائزیشن، دلوں کو موہ لینے والی انسانیت، اور زندگی کے ہر کام میں معیار کا خیال رکھنے پر ہوتی ہے۔ یہ پوری دس چیزیں ہیں، جو معاشروں میں خوشیاں لانے کی ضامن ہیں، تہذیبوں کو عروج اور بلندیاں دلانے کے لیے انتہائی اہم ہیں۔

ہماری اسلامی تہذیب ایسی دینی اور اخلاقی بنیادوں پر استوار ہے، کہ جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، کیونکہ ہمارا اسلامی پیغام ایک بین الاقوامی اور مہذب پیغام ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الانبیاء: 107)

”اے محمد (ﷺ)، ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔“

اس کی خوبصورت خصوصیات میں سے ایک واضح خاصیت یہ ہے کہ اس نے تمام آسمانی شریعتوں کے جوہر اپنے اندر سمو لیے ہیں، یہ الٰہی پیغامات کا خلاصہ ہے۔ اسلام انسان کی طرف ایک جامع، دقیق اور متوازن نگاہ سے دیکھتا ہے، جس کی بدولت انسان کے معاملات درست ہو جاتے ہیں، اس کے حقوق کی تکمیل ہوتی ہے اور اس کے وقار پر حرف نہیں آتا، اس معاملے میں کوئی سودے بازی یا سمجھوتہ نہیں ہوتا، چاہے حالات بدل جائیں یا زمانے گزر جائیں۔

اے مؤمنو! جب انسانی فہم اسلام اور اس کے احکام وحکیمانہ اسرار، اور ان میں کارفرمان انسانی فوائد ومنافع کے بلند مداروں تک رسائی حاصل کر لیتی ہے، تو اسے یہ سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی کہ اس نے دین اور اقدار کو اپنا ستون بنایا ہے۔ تو ایمان، عقیدہ اور توحید زندگی کی وہ بنیادیں ہیں، جو نفس کو عزت وشرف اور پاکیزگی کی بلندیوں تک پہنچاتے ہیں، اسے بت پرستی، شرک اور بدبختی کے وبال سے محفوظ

کرتے ہیں، بالخصوص جب الحاد کی لہریں پھیل رہی ہوں، ذاتِ الٰہی کو اور آسمانی پیغامات کو نشانہ بنایا جارہا ہو، توہم پرستی اور خرافات کا دور دورہ ہو، مہینوں اور زائچوں سے بدفالی عام ہو۔

﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ (سورۃالزمر:3)

"خبر دار، دین خالص اللہ کا حق ہے۔"

ذہن نشن کر لو کہ بندوں کا اولین فرض اللہ کی توحید ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وما أنعَم اللهُ على عباده نعمةً هي أعظمُ من نعمةِ التوحيدِ، فبه أُرسلتِ الرسلُ، وأُنزلتِ الكتبُ، وقامَتْ سوقُ الجنةِ والنارِ."

"اللہ نے اپنے بندوں کو توحید سے بڑی کوئی نعمت نہیں عطا کی، اسی کے لیے رسول بھیجے گئے، کتابیں نازل ہوئیں اور جنت وجہنم کی بنیادیں بنیں۔"

فَلِوَاحِدٍ كُنْ وَاحِدًا فِي وَاحِدٍ
أَعْنِي سَبِيلَ الْحَقِّ وَالْإِيمَانِ

"تو ایک ہی اللہ کے لیے، ایک ہی، یعنی حق وایمان کے، راستے پر چلنے والوں میں ایک بن جاؤ۔"

اسلام ہی نے اخلاق واقدار کو فروغ دیا، پھر مختلف تہذیبوں کو بنانے والے اور دنیا کے سمجھدار لوگ اسی میٹھے چشمے سے سیراب ہوتے گئے اور اسی پاکیزہ اور بہتی ندی سے فیض حاصل کرتے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لأتمم صالحَ الأخلاقِ» (أخرجه الإمام أحمد في المسند، والبخاري في الأدب المفرد)

"مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔"

تو اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! اسلامی اقدار روح کے زینے ہیں، جو متوازن اور بلند شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں۔ اچھے اخلاق کی بدولت ہی آج تک کی سلطنتیں قائم رہیں اور برے اخلاق کی وجہ سے ہی بہت سے ممالک کو شکست ہوئی۔

إِنِّي لَتُبْهِجُنِي الْخِلَالُ كَرِيمَةً
بَهَجَ الْغَرِيبِ بِأَوْبَةٍ وَتَلَاقِ
وَيَهُزُّنِي ذِكْرُ الْمَرُوءَةِ وَالنَّدَى
بَيْنَ الشَّمَائِلِ هِزَّةَ الْمُشْتَاقِ
فَإِذَا رُزِقْتَ خَلِيقَةً مَحْمُودَةً
فَقَدِ اصْطَفَاكَ مُقَسِّمُ الْأَرْزَاقِ

"اچھے اخلاق سے مجھے خوشی ہوتی ہے، گویا کہ کوئی مسافر لوٹ آیا ہو اور اپنے گھر والوں سے مل رہا ہو۔ مروت اور سخاوت کا نام سن کر مجھے ایسی مسرت ہوتی ہے، جیسے دور رہنے والے کسی اپنے کا نام لیا گیا ہو۔ اگر آپ کو تعریف کے لائق اخلاق ملے ہیں، تو جان لیجیے کہ رزق تقسیم کرنے والے نے آپ پر بڑی مہربانیاں کی ہیں۔"

اس طرح سچائی اور امانت داری کو بلندی ملتی ہے، نرمی، عزت، بہادری اور آسانی، والدین کی فرمان برداری، صلہ رحمی، بہن بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی، یتیم کی دیکھ بھال، خیراتی اور رضاکارانہ امدادی کاموں اور انسانی خدمت کو فروغ ملتا ہے۔ تشدد اور بدسلوکی، نافرمانی اور حقوق کی عدم ادائیگی سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔

اے مؤمنو! پھر ان میں سر تاج کی حیثیت مستحکم امن وامان، استحکام اور اطمینان کی ہے، جسے اللہ تعالی نے عظیم نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ فرمایا:

﴿الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾ (سورۃالقریش:4)

"جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔"

وَمَا الدِّينُ إِلَّا أَنْ تُقَامَ شِعَائِرٌ
وَتُؤْمَنُ سُبْلٌ بَيْنَنَا وَشِعَابُ

"دین نام ہی اس چیز کا ہے کہ اسلامی شعائر قائم ہوں اور راستے محفوظ ہوں۔"

اسی طرح فکری اور کردار کی خرابیوں کے پھیلاؤ کو دیکھتے ہوئے فکری امن وامان کی فراہمی بھی انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالی نے سرزمین حرمین کو امن وسلامتی کی نعمت سے نوازا ہے۔ تو اے اللہ کے بندو! ہم اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، کیونکہ ہم ارد گرد کے مختلف ملکوں کے لوگوں کو خوف اور انتشار میں مبتلا دیکھتے ہیں، جبکہ ہم اس مبارک ملک میں ہیں، اللہ اس کی حفاظت فرمائے، امن وامان، ایمان، استحکام سے لطف اندوز ہورہے ہیں، اپنے دین اور اپنی اقدار پر فخر کرتے ہیں، اللہ کی اس مہربانی پر ہم اس کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔

یہاں اس بات پر زور دینا مناسب ہے کہ قومی وابستگی صرف ایک جذبے اور عمل سے خالی احساس کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک جذبے کے ساتھ ساتھ احساسِ ذمہ داری بھی ہے، فرائض کی ادائیگی بھی ہے، کیونکہ حقیقی شہریت یہ ہے کہ تمام اہلِ وطن اپنی زندگی، اپنے انجام اور تمام چیلنجز میں، صلاحیتوں، کمائیوں اور کامیابیوں میں اور حقوق وواجبات کی ادائیگی میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ اس کے لیے مستقبل کا وزن طے کریں، اسٹریٹجک منصوبہ بندی کریں، ثقافتی سرمایہ کاری کریں، میڈیا اور ڈیجیٹلائزیشن کریں، مثبت اور فعال کام کریں۔ مفید شراکت کو فروغ دیں، جو ٹیکنالوجی ڈیجیٹلائیزیشن اور مصنوعی ذہانت میں سرمایہ کاری پر اکساتی ہے، تاکہ تکنیکی عروج کے دور کے تقاضوں کو دیرپا ترقی کے ذریعے اور دنیا کی سائنسی وبین الاقوامی ترقی کے ساتھ چلتے ہوئے پورا کیا جا سکے، مگر اپنے اصول ومبادی کو برقرار رکھتے ہوئے، چھوٹے اور فروعی مسائل میں وسعت اختیار کرتے ہوئے۔

حب الوطنی کے ثمرات میں وحدت، اتحاد واتفاق، اجتماعیت، حکمران کی فرمان برداری، میانہ روی اور اعتدال پسندی شامل ہے، جس کے بعد کوئی مبالغہ آرائی رہتی ہے نہ انتہا پسندی، نہ کوتاہی اور نہ بے دینی، بلکہ اتحاد واتفاق کی ایسی مستحکم فضا قائم ہوتی ہے

جو تمام اختلافات، جھگڑوں اور تقسیموں سے بالاتر ہو ہوتی ہے، جس نہ بہتان تراشی ہوتی ہے، نہ درجہ بندی، اور نہ اختلافات۔

﴿وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾ (سورۃ المؤمنون:52)

"اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھی سے تم ڈرو۔"

اے مسلمانو! اعلیٰ اقدار کے مظاہر میں مخالف اور دشمن کے ساتھ عدل وانصاف شامل ہے۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ (سورۃ المائدۃ:8)

"کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔"

اسلام مخالفین پر ظلم وستم یا ان کی حق تلفی یا زبردستی ان کے عقائد کی تبدیلی کی بنیاد پر قائم نہیں ہوا۔

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ (سورۃ البقرۃ:256)

"دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔"

اسلام نے ناجائز طور پر لوگوں کی جانوں، عزتوں اور اموال پر حملے نہیں کیے، بلکہ اس نے آزادی کی ضمانت دی ہے، مگر حدود میں رہتے ہوئے اور بے لگامی سے بچاتے ہوئے، کیونکہ آزادی دینی اور اخلاقی، معاشرتی اور قانونی اقدار پر مبنی ہونی چاہیے، اس میں رواداری، بقائے باہمی، مکالمے اور امن کی ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جس کی مثال ہمیں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

اے امت اسلام! اگر اس دور کی بات کی جائے، تو یہ وہ دور ہے جس میں بنی نوع انسان فکری، تہذیبی اور تکنیکی عروج کو پہنچ چکا ہے، مگر یہی وہ دور بھی ہے جسے ایسے علم و معرفت کی سخت ضرورت ہے جس میں آگہی اور تربیت بھی ہو۔ امید ہے کہ ہمارے بیٹے اور بیٹیاں جو نئے تعلیمی سال کا آغاز کر رہے ہیں، وہ ان باتوں کو سمجھ جائیں گے کہ جہالت اور ناخواندگی کے خاتمے کے لیے تعلیمی اور تربیتی نظام کو ترقی دینے میں خاندان اور اسکول کے درمیان عمدہ تعلق انتہائی ضروری ہے، تاکہ اخلاقی چیلنجوں کا مقابلہ ہو سکے، خاص طور پر سوشل میڈیا پر پھیلنے والی بداخلاقیوں کا، جو ہر رطب و یابس پیش کرتے ہیں اور جنہیں اسٹار کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو قانون کے دائرے میں لانا ضروری ہے۔

اے مسلمانو! تمام تبدیلیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے، دینِ اسلام کاموں کی احسن انداز میں تکمیل اور معیار کا مطالبہ کرتا ہے، پھر عمدگی، جدت اور تخلیقی صلاحیت کو بھی فروغ دیتا ہے۔ تو اس اعزاز سے بہتر بھی کوئی فخر و اعزاز ہو سکتا ہے!! معیار کے اصولوں اور انسانیت کے عالمگیر قوانین پر غور کرنے والا یہ جان لیتا ہے کہ اسلامی شریعت نے ان تمام قوانین کو رائج کرنے میں سبقت حاصل کی ہے، جو کہ اصل میں دینی بنیادوں اور اسلامی قوانین کا حصہ ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے ان پر زور دیا اور انہیں راسخ کرنے کی کوشش کی ہے، کیونکہ کام سے محبت کرنا، اس کو پوری طرح مہارت اور اخلاص کے ساتھ سرانجام دینا اور اس میں اللہ کو یاد رکھنا، ایسے اصول ہیں جن کی اسلام نے ترغیب دلائی ہے اور ان پر عمل کرنے والے کے ساتھ اجر عظیم اور وثواب جزیل کا وعدہ کیا ہے۔ تو معیار کا خیال رکھنے اور انسانیت کے قوانین کا پاس رکھنے کا مفہوم دین کی تمام تعلیمات میں موجود ہے، بلکہ یہ عظیم اسلامی اقدار کی وہ شکل ہے، جو تمام دینی اور دنیاوی کاموں میں موجود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (سورۃ الملک:2)

"جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔"

اسی طرح فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

«إنَّ اللهَ يُحِبّ إذَا عَمِلَ أحدُكم عَمَلًا أَنْ يُتقِنَه» (أخرجه البيهقي في شُعَب الإيمان)

"اللہ کو یہ پسند ہے کہ جب تم کوئی کام کرو تو خوب مہارت سے کرو۔"

اس طرح امت میں توانا معاشرے، بڑھتی ترقی اور دور اندیش قومیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کا روشن چہرہ دنیا کے لیے عیاں ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن وحدیث سے مستفید فرمائے، سردارِ دو جہاں کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے، میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ عظیم وجلیل سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ اے اللہ! تو ہمارا مولیٰ ہے، تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

دوسرا خطبہ

ہر طرح کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے! اس نے ہمیں بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ اپنے جلال وعظمت میں بہت پاکیزہ ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پیغام الٰہی اور مقامِ محمود کے لیے چنیدہ ہیں۔ اے اللہ! ہمارے پیارے نبی، ہمارے لیے اسوۂ حسنہ، محمد بن عبد اللہ پر رحمتیں نازل فرما۔ آپ ﷺ کی آل پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، جو آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے والے اور اس پر قائم رہنے والے ہیں۔ تابعین پر اور استقامت کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں پر بھی رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرما، جب تک سورج اور چاند پے در پے آ رہے ہیں اور اپنے مداروں میں جاری ہیں۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! اپنے رب سے

ڈرو اور اس کی اطاعت کرو، اسے یاد رکھو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔ یاد رکھو کہ سب سے سچا کلام اللہ کی کتاب ہے، بہترین طریقہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بد ترین کام ہیں۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مسلمان جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔ کیونکہ اللہ کے ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے جو جماعت سے لگ ہوتا ہے، وہ جہنم میں گر جاتا ہے۔

اسلامی بھائیو! اسلامی معاشرے کو دوسروں سے ممتاز کرنے والی چیز یہ ہے کہ اس کے لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ سب ایک دوسرے کو سچ بولنے اور اس پر قائم رہنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ سب نیکی اور تقویٰ کے کاموں مین تعاون کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّكُمْ راعٍ وكُلُّكُمْ مسؤولٌ عن رعيّته» (مُتّفق عليه)

"تم سب ذمہ دار ہو اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

ہماری روشن شریعت عزلت پسندی اور رہبانیت کو نہیں جانتی، سختی اور جمود کو نہیں پہچانتی، مگر تبدیلیوں اور جدت کے ساتھ ساتھ ترقی کرنے، تجدید اپنانے اور لچک اختیار کرنے کو خوب جانتی ہے، ساتھ ساتھ اصولوں اور طے شدہ چیزوں کو برقرار رکھتی ہے۔

یہ ہمارا دینی، اخلاقی اور قومی فریضہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک، بالخصوص قائدین، علمائے کرام، اہل فکر، اہل رائے، میڈیا کے لوگ، معاشرے کے معروف لوگ، رہنما، نوجوان بچے اور بچیاں، اور عورتیں، مل کر دین اور وطن کی حرمت کو پامال کرنے والوں کے مقابلے میں متحد ہو جائیں، بدنیتی پر مبنی افواہوں جعلی خبروں، مشکوک ایجنڈوں، منحرف گروہوں، گمراہ جماعتوں اور بدمعاش دہشت گرد تنظیموں کا مقابلہ کریں، جو الجھنوں اور جھگڑوں، افراتفری اور بدنظمی، مذہبی اور قومی غداری کو ہوا دینے کی پوری کوشش کرتے ہیں، تاکہ ہم سب کو امن اور استحکام نصیب ہو، دینی اتحاد کو برقرار رکھیں، قومی ہم آہنگی کو بچائیں، دیانتداری اور شفافیت کو فروغ دیں، ہر قسم کی بدعنوانی کا مقابلہ کریں، عوامی املاک کا تحفظ کریں، ان پر حملے نہ کریں اور عوامی سہولیات اور املاک کی بھی حفاظت کریں، جرائم اور ان کے مرتکبین کی رپورٹنگ کرائیں، بین الاقوامی جرائم کی روک تھام کریں اور ان کے پیچھے کارفرما منظم نظریات کا خاتمہ کریں؛ تاکہ معاشروں کو ان کے مضر اثرات سے پاک رکھا جاسکے۔ اسی طرح منشیات اور سائیکوٹراپک مادوں کا مقابلہ کریں۔ ہم اپنے ملک و نوجوانان کو منشیات سے بچانے کے لیے کام کرنے والے لوگوں کی قدر کرتے ہیں، جو بد ترین زہر اور تباہ کن جرائم کی لعنت سے لوگوں کو بچانے کے لیے کوشاں ہیں، جو ملک اور عوام کو جنگوں، بحرانوں اور آفات کی لعنت سے محفوظ کرنے کے لیے محنت کر رہے ہیں، جو مصیبتوں، غربت، وبائی امراض اور حادثات کا مقابلہ کرنے میں مصروف ہیں۔ اس کے لیے اچھی تربیت کر رہے ہیں، تاکہ نوجوان وہ بنیادی باتیں سیکھ لیں جو انہیں مصیبتوں سے محفوظ کر سکتی ہیں۔ اس حوالے سے ہمیں تاریخ سے بھی سبق لینا چاہیے، قبل اس کے کہ ہم پر بھی آنسو بھانے کی نوبت آجائے۔

تو اے مسلمان بھائی! اپنے نفس سے مخاطب ہو، اسے کسی سکون کے لمحے میں کہنا:

وَيْحَكِ يَا نَفْسُ احْرِصِي

عَلَى ارْتِيَادِ الْمَخْلَصِ

وَطَاوِعِي وَأَخْلِصِي

وَاسْتَمِعِي النُّصْحَ وَعِي

وَاعْتَبِرِي بِمَنْ مَضَى

مِنَ الْقُرُونِ وَانْقَضَى

وَاخْشَيْ مُفَاجَاةَ الْقَضَا

وَحَاذِرِي أَنْ تُخْدَعِي

"اے نفس! تیرا بھلا ہو! جان بچانے والی چیزوں کے لیے کوشاں رہو، فرمانبرداری کرو، مخلص بنو، نصیحت کو سنو اور سمجھو۔ گزری قوموں سے عبرت پکڑو، اچانک نازل ہونے والی تقدیر سے ڈرو، فریب کا شکار ہونے سے ہوشیار رہو۔"

اللہ سے دعا ہے کہ وہ احوال کی اصلاح فرمائے، امیدیں پوری فرمائے، دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی۔ یقیناً! جن سے مانگا جاتا ہے، ان میں وہ سب سے بہتر ہے، جن سے امیدیں لگائی جاتی ہیں، ان میں وہ سب سے کریم ہے، وہ بہت سخی اور کریم ہے۔

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو اس ہستی پر جو دونوں جہانوں میں بڑے مقام و مرتبہ والے ہیں، جن کے گھر والے اور صحابہ افضل ترین لوگ ہیں۔ ایسا درود و سلام جو مشک کی خوشبو سے لدا ہو، بالکل ویسے جیسے کے مولیٰ عزیز وحمید نے حکم دیا ہے، وہ اپنی کتاب مجید میں فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورۃ الاحزاب:56)

"اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔"

فصلَّى اللهُ والأملاكُ جمعًا

على داعي البرية للرشادِ

وآلٍ صالحينَ لهم ثناءٌ

بنورِ القلبِ سطَّرَهم مدادي

"اللہ اور اس کے فرشتے اس ہستی پر درود بھیجتے ہیں جو تمام انسانوں کی رہنمائی کرتے تھے، آپ ﷺ کے اہل بیت بھی قابل تعریف ہیں جن کا ذکر میرے دل پر نقش ہے۔"

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورۃ البقرہ:201)

﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ * وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ * وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الصافات:180۔182)

☆☆☆

یہی توحید تھی، جس کو نہ تو سمجھا، نہ میں سمجھا!

توحید

'توحید' کا لغوی معنی کسی چیز کو ایک بنانا اور اس کا شرعی مفہوم، اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات وصفات میں یکتا سمجھنا ہے۔ توحید کی ضد الإشراک باللہ یعنی اللہ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو بھی حصہ دار سمجھنا ہے۔ 'الإشراک باللہ' کو مختصر الفاظ میں 'شرک' بھی کہا جاتا ہے۔ توحید کے اثبات سے شرک کا ردّ از خود ہو جاتا ہے۔ شرک کی جملہ اقسام سے اجتناب سے ہی عقیدۂ توحید میں پختگی اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔

قرآن میں توحید کا لفظ نہیں آیا مگر احادیث میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تو اپنی صحیح میں ایک مستقل کتاب کا نام ہی 'کتاب التوحید' رکھا ہے۔ قرآن مجید میں توحید کے بجائے اللہ کیلئے 'اَحد' اور 'واحد' کے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں یا پھر شرک اور اس کی معروف اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔

توحید کی اہمیت

اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ ان باتوں سے ہوتا ہے کہ

☆ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کا سبق دیا۔

☆ توحید ہی وہ نسخہ کیمیا ہے جس سے انبیا نے ایک بگڑی ہوئی قوم کی اِصلاح کا آغاز کیا۔

☆ توحید ہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جس کے اقرار پر کوئی شخص اسلام کے حصار میں داخل ہوتا ہے۔

☆ توحید ہی وہ اہم موضوع ہے جس کا ذکر صراحتاً یا اشارۃً قرآن کریم کے ہر صفحہ میں ملتا ہے۔ پھر اس کی تفصیلات احادیث میں بکثرت مذکور ہیں۔

☆ اسی موضوع پر علمائے حق اور مفکرین اسلام ہر دور میں زبان و قلم سے جہاد کرتے رہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ کرتے رہیں گے۔

☆ ساتھ ہی ساتھ یہ عقیدۂ توحید ہی ایسا نازک موضوع ہے کہ اس میں تھوڑی سی کمی بیشی سے انسان ایسا مشرک ٹھہرتا ہے جس کی نجاتِ اُخروی کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ...﴾ (سورۃ النساء: 48)

”اللہ تعالیٰ یہ گناہ کبھی نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے علاوہ (اور گناہ) جس کو چاہے گا بخش دے گا۔“

انہی وجوہات کی بنا پر عقیدۂ توحید شیطان کا اصل ہدف ہے۔ وہ اس میں طرح طرح سے رخنہ اندازیاں کرکے خیالات کا رخ موڑتا اور ایک ہدایت یافتہ انسان کو پھر سے شرکیہ افعال میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انبیا کے رخصت ہونے کے بعد ان پر ایمان لانے والوں میں سے بھی اکثر لوگ مشرک ہی رہتے یا بن جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾ (سورۃ یوسف: 106)

”اور ان میں سے اکثر لوگ نہیں ایمان لاتے مگر اللہ کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔“

عقیدہ توحید میں پختگی سے نجاتِ اُخروی تو قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ثابت ہے۔ یہ فائدہ مسلّم، لیکن کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ اس عقیدۂ توحید کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ ایک مشرک کی زندگی اور ایک موحّد کی زندگی میں کیا فرق ہوتا ہے؟ اس عقیدہ سے بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کیونکر ہوتی ہے۔ نیز یہ عقیدہ عالمی قیامِ امن کے سلسلہ میں کیا کردار ادا کرتا ہے؟ یہ اور اس جیسے دوسرے سوالات کا جواب دینے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لیں۔

شرک کی بنیاد توہم پرستی ہے!

انسان فطرتاً توہم پرست واقع ہوا ہے۔ اور اس توہم پرستی کا ٹھیک ٹھیک علاج عقیدۂ توحید ہے۔ شیطان کا انسان کو گمراہ کرنے اور مشرک بنانے کا سب سے مؤثر حربہ یہ ہے کہ وہ انسان کی اس توہم پرستی کو ہوا دیتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اسی توہم پرستی کی وجہ سے انسان خوفِ غیر اللہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے اپنے فائدہ کی توقعات وابستہ کرنے لگتا ہے۔ بس یہی دو چیزیں یعنی دفع مضرت اور جلبِ منفعت یا نقصان اور تکلیف کا ڈر اور کسی بھلائی اور فائدہ کی توقع ہیں جو انسان کو شرک کی بے شمار قسم کی خار زار وادیوں میں کھینچ لاتی ہیں۔ مثلاً مظاہر پرستی، کواکب پرستی، بت پرستی، ملائکہ پرستی، جنات پرستی، عقل پرستی، ذہن پرستی، اولیاء پرستی، قبر پرستی، آبا پرستی، احبار پرستی، حتیٰ کہ خود پرستی سب شرک ہی کی شاخیں ہیں۔ پھر یہ شاخیں اور کئی چھوٹی شاخوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ ان سب شاخوں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو بالآخر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا جذبہ محرکہ یہی مذکورہ دونوں باتیں یا ان میں سے کوئی ایک ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

﴿قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ

لَكُم ضَرًّا وَلا نَفعًا﴾ (سورۃالمائدۃ: 76)

”(اے پیغمبر) ان سے کہہ دو کہ تم ایسی چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہو جنہیں تمہارے نفع ونقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں۔“

اور مشرکین کی اس توہم پرستی کا عقلی اور مشاہداتی جواب یہ دیا کہ اللہ کے سوا باقی چیزیں جنہیں تم اپنا مددگار سمجھتے ہو وہ تو خود اپنے نفع ونقصان کی بھی مالک نہیں تو پھر وہ تمہارا کیا بگاڑ یا سنوار سکتی ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

﴿قُل أَفَاتَّخَذتُم مِن دونِهِ أَولِياءَ لا يَملِكونَ لِأَنفُسِهِم نَفعًا وَلا ضَرًّا﴾

”(اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو کہ اللہ کے سوا جن کو تم نے اپنا مددگار بنا رکھا ہے، وہ تو اپنے بھی نفع ونقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔“ (سورۃالرعد: 16)

اس دنیا میں اگر کوئی سب سے بلند مقام ہستی ہو سکتی ہے تو وہ اللہ کا رسول ہی ہو سکتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ سے براہِ راست بھی تعلق ہوتا ہے اور جبریل کے واسطہ سے بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی بلند ہستی بھی نہ اپنے نفع ونقصان کی خود مالک ہوتی ہے، نہ ہی کسی دوسرے کو کچھ فائدہ یا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ تو پھر دوسری چیزوں کا ذکر ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ سے فرماتے ہیں:

﴿قُل إِنّي لا أَملِكُ لَكُم ضَرًّا وَلا رَشَدًا﴾ (سورۃالجن: 21)

”ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تمہارے حق میں نقصان یا بھلائی کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔“

توحید وشرک سے متعلق چند شرعی اصطلاحات

مناسب ہو گا کہ شرک کی مختلف اقسام بیان کرنے سے پیشتر ان چند الفاظ کا لغوی مفہوم بیان کر دیا جائے جو شرک کے بیان میں تکرار سے آتے ہیں اور شرعی اصطلاح کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور وہ ہیں: عبد اور عبادت ... دین ... ربّ ... الٰہ ... اللہ ... جبت ... طاغوت ... حنیف

1۔ عبد: بمعنی بندہ، غلام، محکوم (عباد اور عبید) اور عبادت کا لفظ عموماً تین معنوں میں قرآن میں آیا ہے

(1) بمعنی بندگی، غلامی اور محکومی ... جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿فَقالوا أَنُؤمِنُ لِبَشَرَينِ مِثلِنا وَقَومُهُما لَنا عـٰبِدونَ ﴾ (سورۃ المومنون: 47)

”فرعون کے درباری کہنے لگے: بھلا ہم ایسے دو آدمیوں (سیدنا موسیٰ علیہ السلام و سیدنا ہارون علیہ السلام) پر ایمان لائیں جن کی قوم ہماری غلام ہے۔“

اب یہ تو ظاہر ہے کہ آج تک شیطان کی کسی نے پوجا پاٹ نہیں کی، نہ ہی اسے کسی نے کبھی آقا سمجھا، لہٰذا یہاں مفہوم، شیطانی وساوس کی پیروی ہی ہو سکتی ہے۔

اور عَبَّد بمعنی کسی دوسرے کو محکوم اور غلام بنانا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿وَتِلكَ نِعمَةٌ تَمُنُّها عَلَيَّ أَن عَبَّدتَ بَني إِسرٰءيلَ﴾ (سورۃالشعراء: 22)

”اور (کیا) یہی احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔“

(2) بمعنی سر عجز و نیاز خم کرنا... معروف معنوں میں پوجا پاٹ اور پرستش کے وہ طریقے جو مشہور ہیں۔ (عبادت، جمع عبادات) خواہ یہ اللہ کی ہو یا کسی دوسرے کی۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿قالوا نَعبُدُ أَصنامًا فَنَظَلُّ لَها عـٰكِفينَ ﴾ (سورۃ الشعراء: 71)

”سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم کہنے لگی کہ ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں اور ان (کی پوجا) پر قائم ہیں۔“

(3) بمعنی محض اطاعت اور فرمانبرداری جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے فرمایا:

﴿يـٰأَبَتِ لا تَعبُدِ الشَّيطـٰنَ﴾ (سورۃ مریم: 44)

”اے میرے والد! شیطان کی اطاعت نہ کیجئے۔“

2۔ دین: دین کا لفظ چار معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ لغتِ اضداد سے بھی ہے۔

دین کا معنی (1) مکمل حاکمیت بھی ہے اور (2) مکمل عبودیت بھی۔ ارشادِ باری ہے

﴿أَلا لِلَّهِ الدّينُ الخالِصُ﴾ (سورۃالزمر: 3)

”غور سے سن لو کہ خالص عبادت صرف اللہ ہی کو زیبا ہے۔“

اس آیت میں دین کا لفظ دونوں معنوں میں آیا ہے جو آپس میں متضاد ہیں۔ اس آیت کا اگر یوں ترجمہ کیا جائے کہ مکمل حاکمیت اللہ ہی کے لئے ہے، تو بھی مفہوم وہی نکلتا ہے یعنی اس کے بندے اس کی مکمل حاکمیت سمجھیں اور اس کی مکمل اطاعت و عبادت کریں۔

(3) قانونِ جزا و سزا جیسے سورۂ یوسف میں فرمایا:

﴿ما كانَ لِيَأخُذَ أَخاهُ فى دينِ المَلِكِ﴾ (سورۃیوسف: 76)

”شاہی قانون کے لحاظ سے یہ ناممکن تھا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو اپنے ہاں روک لیتے"

(4) مکافاتِ عمل... یعنی قانونِ جزا و سزا کے مطابق اس کا عملی نفاذ۔ جیسے فرمایا:

﴿مـٰلِكِ يَومِ الدّينِ ﴾ (سورۃ الفاتحہ:4)

”(وہ اللہ) جزا و سزا کے دن (قیامت کے دن) کا مالک ہے۔“

درج ذیل آیت میں دین کا لفظ یہ دونوں مفہوم ادا کر رہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَولا إِن كُنتُم غَيرَ مَدينينَ ۝ تَرجِعونَها إِن كُنتُم صـٰدِقينَ﴾ (سورۃ الواقعہ:86-87)

”پھر اگر تم سچے ہو اور تم پر ہمارا قانونِ جزا و سزا لاگو نہیں ہو سکتا تو تم اس (مرنے والے کی روح کو) واپس

پھیر کیوں نہیں لیتے۔''

گویا دین کا لفظ ایک مکمل نظام کی نمائندگی کرتا ہے اور مذکورہ بالا چاروں معانی اس کے اجزائے ترکیبی ہیں :

یعنی (1) مکمل حاکمیت یا اقتدارِ اعلیٰ

(2) حاکمیت کے مقابلہ میں مکمل تسلیم و اطاعت

(3) وہ نظام فکر و عمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر بنے

(4) وہ جزا و سزا جو حاکم اعلیٰ کی طرف سے اطاعت کے صلہ یا سرکشی کی پاداش میں دی جائے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

3۔ربّ: کا لفظ چار معنوں میں آیا ہے:

(1) ربّ (مصدر) بمعنی کسی کو پرورش کر کے حدِ کمال تک پہنچانا اور اس کی جملہ ضرورتوں کا خیال رکھنا (مفردات)۔ مگر یہ لفظ عموماً بطورِ اسم فاعل ہی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العٰلَمينَ ﴾ (سورۃ الفاتحہ: 2)

''سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو تمام جہانوں کا پرورش کنندہ ہے۔''

اس لحاظ سے الربّ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو سکتا ہے اور اس لفظ کا مصدر ربوبیۃ آتا ہے۔ اور اس کی جمع نہیں آتی۔

(2) یعنی آقا و مالک جو کسی کی تربیت کا ذمہ دار ہو۔ان معنوں میں اس کا مصدر ربوبیۃ کے بجائے ربابیۃ آتا ہے۔جمع أرباب (المفردات) قرآن میں ہے:

﴿يٰصٰحِبَىِ السِّجنِ أَمّا أَحَدُكُما فَيَسقى رَبَّهُ خَمرًا﴾ (سورۃ یوسف: 41)

''(سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا) اے میرے جیل کے رفیقو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔''

3۔بمعنی صرف مالک جسے اپنی مملوکہ چیز میں تصرف کا پورا پورا اختیار ہو۔ جیسے ربّ الناقۃ بمعنی اونٹنی کا مالک۔ربّ الکعبۃ بمعنی بیت اللہ کا مالک ہے۔اسی معنی میں یہ لفظ درج ذیل آیت میں مستعمل ہوا ہے:

﴿فَليَعبُدوا رَبَّ هٰذَا البَيتِ ﴾ (سورۃ قریش: 3)

"تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں"

(4) چوتھا معنی 'قانون دہندہ' اس کی پوری تصریح ایک حدیث میں مذکور ہے۔ عدی بن حاتم جو پہلے عیسائی تھے، 9ہجری میں اسلام لائے۔ان کے اسلام لانے کے بعد جب سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی

﴿اتَّخَذوا أَحبارَهُم وَرُهبٰنَهُم أَربابًا مِن دونِ اللَّهِ وَالمَسيحَ ابنَ مَريَمَ وَما أُمِروا إِلّا لِيَعبُدوا إِلٰهًا وٰحِدًا﴾ (سورۃ التوبہ: 31)

''ان (عیسائیوں) نے اپنے علما اور مشائخ کو اللہ کے علاوہ اپنا ربّ بنا لیا اور مسیح ابن مریم علیہما السلام کو بھی حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔''

تو سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ لوگ (عیسائی) اپنے علماء و مشائخ کی عبادت تو نہیں کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بلیٰ إنهم حرموا عليهم الحلال وأحلوا لهم الحرام فاتبعوهم فذلك عبادتهم إياهم» (جامع ترمذی، ابواب التفسیر)

''کیوں نہیں، وہ علماء و مشائخ ان کے لئے حلال کو حرام قرار دیتے اور حرام کو حلال۔ پھر وہ ان کی پیروی کرتے بس یہی چیز ان کی عبادت ہے۔''

اور یہ واضح ہے کہ حرام کو حلال کرنے اور حلال کو حرام کرنے کا مسئلہ خالصتاً تشریعی امور سے تعلق رکھتا ہے۔ تشریع اسلامی قانون کو کہا جاتا ہے۔

4۔ اللہ: اِلٰہ کا لفظ ہر معبود پر بولا جاتا ہے۔ خواہ وہ معبود برحق ہو یا باطل۔ چنانچہ اللہ کے لئے بھی یہ لفظ قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے اور دوسرے ہر طرح کے معبودانِ باطل کے لئے بھی اور اہل عرب سورج کو اِلٰهَة کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ انہوں نے سورج کو معبود بنا رکھا تھا۔ (مفردات از امام راغب)

سورج عربی زبان میں بطورِ مؤنث استعمال ہوتا ہے اور اِلٰه کی مونث اِلاَهة آتی ہے۔

اب اس لفظ اِلٰہ کی لغوی لحاظ سے خصوصیات درج ذیل ہیں:

1۔ اَلِهَ اَلَهًا سرگشتہ شد (حیران ہوا)

2۔ اَلِهَ اِلَيْهِ ترسید و پناہ گرفت (اس سے ڈرا اور اس کی طرف پناہ پکڑی)

3۔ اَلَهَه امان و زنہار داد (اس نے اسے امان اور حفاظت دی)

4۔ اَلِهَ اِلاَهَةً پرستید (اس کی پرستش کی) (منتہی الادب)

5۔ بعض کے نزدیک لفظ اِلٰہ دراصل وِلاَهٌ تھا، ہمزہ کو واؤ سے بدل کر اِلٰهٌ بنا لیا اور وَلِهَ بمعنی عشق و محبت میں وارفتہ اور بے خود ہونا (اردو زبان میں لفظ والہانہ محبت مشہور ہے)۔ اور چونکہ مخلوق کو اپنے اِلٰہ سے بہت محبت ہوتی ہے۔ اس لئے اسے اِلٰہ کہا گیا (مفردات)

(6) بعض کے نزدیک لفظ اِلٰہ لَاهَ يَلُوْهُ لِيَاهًا سے ہے بمعنی پردہ میں چھپ جانا (مفردات)

ان سب معانی کو سامنے رکھا جائے تو ایک معبود (الٰہ) میں درج ذیل صفات کا ہونا ضروری ہے:

(1) اتنی طاقت رکھتا ہو کہ شر سے پناہ دے سکے، گویا وہ کوئی بالا دست ہستی ہی ہو سکتی ہے۔

(2) اس کی اس مشکل کشائی اور پناہ دہندگی ظاہری اسباب و علل پر منحصر نہ ہو بلکہ مستور و محجوب ہو۔ گویا

یہ پناہ دہندگی یا حجت براری حیران کن طریقہ سے ہو۔

(3) پھر ایسی ہستی سے اس کے طالب کا اشتیاق و محبت تو ویسے ہی ایک ناگزیر امر بن جاتا ہے۔

(4) تخلیق کرنے کی صلاحیت

﴿إِنَّ الَّذينَ تَدعونَ مِن دونِ اللَّهِ لَن يَخلُقوا ذُبابًا وَلَوِ اجتَمَعوا لَهُ﴾ (سورۃ الحج: 73)

"جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے اگرچہ اس کے لئے سب مجتمع ہو جائیں۔"

(5) جو خود مخلوق ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا

﴿أَيُشرِكونَ ما لا يَخلُقُ شَيـًٔا وَهُم يُخلَقونَ﴾ (سورۃ الاعراف: 191)

"کیا وہ ایسی چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے بلکہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں۔"

(6) جو کھانا کھاتا ہو، وہ الٰہ نہیں ہو سکتا

﴿مَا المَسيحُ ابنُ مَريَمَ إِلّا رَسولٌ قَد خَلَت مِن قَبلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدّيقَةٌ ۖ كانا يَأكُلانِ الطَّعامَ﴾ (سورۃ المائدۃ: 75)

"مسیح بن مریم کچھ نہیں سوائے اللہ کے پیغمبر کے، ان سے پہلے بھی رسول گزرے۔ ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ وہ دونوں تو کھانا کھاتے تھے۔"

گویا اللہ تعالیٰ ربّ بھی ہے اور الٰہ بھی۔ ربّ: اس لحاظ سے وہ کائنات کی جملہ اشیا کا پروردگار بھی ہے اور مالک بھی اور ان اشیا میں ہر طرح کے تصرف کا پورا اختیار رکھتا ہے اور اِلٰہ: اس لحاظ سے کہ حقیقتاً وہ ہی حاجت روائی اور مشکل کشائی کی طاقت رکھتا ہے کیونکہ اُمورِ کائنات میں تصرف کا اختیار صرف اسی کو حاصل ہے۔ پھر اَحکم الحاکمین بھی وہی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قانون سازی کے جملہ اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں اور حاکمیتِ اعلیٰ بھی اسی کو سزاوار ہے۔

5۔ اللہ: بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ لفظ اللہ، اِلٰہٌ سے ہی بنا ہے۔ وہ یوں کہ پہلا ہمزۂ وصل حذف کرکے اس پر 'اَل' تعریف کا داخل کرکے لفظ 'اللہ' بنا ہے۔ 'اِلٰہ' اسم نکرہ ہے جس کے معنی ہیں کوئی سا معبود۔ اور 'اللہ' اسم معرفہ ہے جس کے معنی ہوئے خاص معبود یا حقیقی معبود۔ اس خیال کے مطابق اکثر اہل لغت اسے 'الٰہ' کے تحت لائے ہیں۔

اس کے برعکس بعض علما اس خیال کے سخت مخالف ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اِلٰہ پر 'اَل' داخل کرنے سے سینکڑوں ہزاروں 'الٰہوں' میں سے کون سے الٰہ پر زور دینا مقصود ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'اللہ' ایک ایسا کلمہ ہے جو شروع ہی سے عربی زبان میں موجود تھا۔ نہ یہ کسی لفظ سے مشتق ہے، نہ اس سے کوئی دوسرا لفظ مشتق ہے۔ گویا 'اللہ' اسم مُرتَجل ہے، عَلَم ہے اور جامد للفرد۔ عربوں کا اللہ کے متعلق تصور یہ تھا کہ وہ ہی معبود برحق ہے۔ وہی کائنات کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ وہی دعا اور پرستش کا اصل مستحق اور نفع و ضرر کا مالک ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ان کے ان معتقدات کا ذکر کئی مقامات پر دہرایا گیا ہے۔

6۔ جبت: جِبت کے معنی صاحب 'منتھی الادب' نے یوں لکھے ہیں:

''بت و کاہن و فال گری و جادو وجادوگر، وآنکہ وراں خیر نبا شد ازہر چیز غیر باری تعالیٰ کہ آں را پرستش نمایند''

''یعنی بت اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے۔ نیز کہانت، جادو، فال گیری اور ہر وہ چیز جس میں خیر نہ ہو۔''

یہ لفظ دراصل اوہام و خرافات کے لئے ایک جامع لفظ ہے جس میں جادو، ٹونے، ٹوٹکے، جنتر منتر، سیاروں کی تاثیرات، سعد و نحس کے تصورات و توہمات اور گنڈے، تعویذ اور نقش وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔

7۔ طاغوت: بمعنی

"لات و عزیٰ و جادو و جادوگر، کاہن و دیو و ہرباطل و بت و ہرچہ بدی راسر شایک و ہرچہ جز خدا است کہ اورا پر ستند و سرکش" (منتھی الادب)

گویا طاغوت ہر وہ باطل یا سرکش طاقت ہے جس نے خدا کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کی ہو اور بندگی کی حد سے تجاوز کرکے خداوندی کا علم بلند کیا ہو، خواہ یہ کوئی ایک شخص ہو یا گروہ یا ادارہ یا حکومت ہو۔ ارشادِ باری ہے

﴿أَلَم تَرَ إِلَى الَّذينَ أوتوا نَصيبًا مِنَ الكِتـٰبِ يُؤمِنونَ بِالجِبتِ وَالطّـٰغوتِ﴾

''کیا تم نے ان لوگوں پر غور کیا جنہیں کتاب اللہ کا ایک حصہ ملا ہے لیکن وہ جبت اور طاغوت کو مان رہے ہیں۔'' (سورۃ النساء: 51)

اس آیت میں 'کتاب اللہ' کے ایک حصہ سے مراد وہ حصہ ہے جو تمدنی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی احکام پر مشتمل ہے۔

8۔ حنیف: حنف (ضد جنف، طرفداری کرنا) بمعنی دوسرے راستے چھوڑ کر یکسو ہو کر دین کی راہ اختیار کرنا (جمع، حنفاء) اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو نہ تو اللہ کے سوا کسی کو اِلٰہ مانتا ہو نہ ربّ، نہ جبت کو تسلیم کرتا اور ایمان رکھتا ہو اور نہ طاغوت کے آگے جھکے۔

ارشادِ باری ہے:

﴿وَما أُمِروا إِلّا لِيَعبُدُوا اللَّهَ مُخلِصينَ لَهُ الدّينَ حُنَفاءَ﴾ (سورۃ البینہ: 5)

''اور انہیں تو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ یکسو ہو کر دین کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی بندگی کریں۔''

☆☆☆

برصغیر میں اگر اہل حدیث نہ ہوتے

شیر خان جمیل عمری

ریاست تامل ناڈو میں مسلک اہل حدیث کے علم بردار نامی کتاب مؤلف محمد انعام الحق عمری منظر عام پر آئی ہے، زیر نظر تحریر 'برصغیر میں اگر اہل حدیث نہ ہوتے' اس کتاب سے ماخوذ ہے۔ جس کو افادۂ عام کی غارض سے نذر قارئین کیا جارہا ہے۔(ادارہ)

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على خاتم النبين و على آله وصحبه اجمعين وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين وبعد!

رسول اکرم ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی کہ «لاتزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لايضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله » "میری امت کا ایک گروہ حق پر غالب رہے گا اور ان کو ترک کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجاے (یعنی قیامت قائم ہوجائے گی)۔(صحیح مسلم)

نبی ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ اول کے انتخاب کو لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف رائے رونما ہوا۔ اس پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث رسول ﷺ «الأئمة من قريش»(صحیح الجامع ،مسند احمد) پیش فرماکر اس اختلاف کو چٹکیوں میں ختم کر دیا اور طائفہ منصورہ اہل حدیث جماعت کے پہلے رکن بن کر امت کے لئے اسوہ چھوڑا۔ آپ کے بعد عامل بالحدیث کا یہ قافلہ بنتا گیا اور حکم رسول ﷺ «فليبلغ الشاهد الغائب» کی تعمیل کرتے ہوئے چھوٹی سی چھوٹی سنت کا احیاء کیا۔ سنت کے مطابق اپنے قول وفعل کو ڈھالنے کی ترغیب دلائی۔ کتاب وسنت کی خالص تعلیمات کو عام کرنے میں بھی کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوئے۔ تاریخ اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ہر صدی میں قرآن وحدیث کے علم برداروں کا یہ طبقہ موجود رہا اور کتاب وسنت کی خالص تعلیمات کو دنیا کے سامنے بلاخوف پیش کیا۔ اس کے لئے انہیں طرح طرح کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، قید وبند کی زندگی گزارنی پڑی، چھوٹی بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں، ہر قسم کی تکلیف کو وہ برداشت کرتے ہوئے قرآن وحدیث کے مقام ومرتبہ کو اجاگر کیا۔

برصغیر میں تاریخ اہل حدیث کا اگر آپ بغور مطالعہ کریں گے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ "تاریخ اہل حدیث" دراصل "تاریخ اسلام" ہے۔ تقلید جامد، بزرگوں کے اقوال کو قرآن وحدیث پر ترجیح دینا، گمراہ کن تاویلات، عقائد کا بگاڑ، شرک وبدعات کی بھرمار ، ایسے ماحول میں حدیث پیش کرنے والا بالکل اجنبی ہوتا اور غریب نظر آتا تھا۔ فقہ اور ائمہ کرام کے اقوال کے مقابلہ میں صحیح حدیث کو پیش کرنا، اس پر عمل کرنا اور اس کا پرچار کرنا جرم گردانا جاتا تھا۔ حدیث بلکہ قرآن کی آیت پیش کرنے والے سے بھی یہ مطالبہ ہوتا تھا کہ وہ فقہ میں سے دلیل پیش کرے۔ الغرض اہل حدیث جماعت کو غیر مقلد، وہابی، گمراہ فرقہ، فتنہ پرور، سماج میں تفرقہ ڈالنے والے، نہ جانے کس کس نام سے انہیں یاد کیا جاتا اور طرح طرح کے طعنے دے کر انہیں زدوکوب کیا جاتا۔ آخر ان کا جرم کیا تھا؟ احادیث کو پیش کرنا اور ان پر عمل کرنا، اس کے علاوہ اور کیا تھا؟ حدیث پیش کرنے پر ان کی زبان کٹتی تھی، حدیث پر عمل کرنے پر ان کا مسجدوں سے اخراج ہوتا تھا، جگہ جگہ مقدمات قائم کر کے انہیں عدالتوں میں گھسیٹا جاتا تھا۔ انگریزی حکومت سے ان کی مخبری تک کی جاتی تھی لیکن اس طائفہ منصورہ نے ان تمام تکالیف کو برداشت کرنا پسند کیا لیکن قرآن وحدیث پر عمل اور اس کی تبلیغ سے باز نہ آیا۔ احقاق حق کے لئے انھوں نے بے شمار مباحثے کئے ، مناظرے کئے ، سینکڑوں مضامین لکھے، پمفلٹس شائع کئے ،اخبار، ماہنامے، جرائد ورسائل کا اجراء کیا، ردود بھی لکھے اور جواب الجواب کا تبادلہ بھی کیا۔ غربت میں تھے، قلت میں تھے، پھر بھی تن من دھن کی بازی لگا کر قرآن وحدیث کی بالادستی کو قائم کیا۔

برصغیر میں اگر اہل حدیث نہ ہوتے تو آج حدیث کا نام لینے والا کوئی نہ ہوتا۔ دعوی بہت بڑا ہے لیکن یہ سچا ہے اور تلخ بھی۔ مؤرخین نے تاریخ کے اوراق میں اس کے سینکڑوں ثبوت محفوظ کررکھے ہیں۔ کئی غیر اہل حدیث اساطین نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ احناف بالخصوص دیوبندی حضرات نے اہل حدیث حضرات ہی کی بدولت اپنے مدارس میں حدیث پڑھانا شروع کیا تھا جیسا کہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی حنفی نے لکھا ہے۔ "دارالعلوم دیوبند اور اس کے متعلقہ مدارس میں حدیث کا دورہ ہوتا ہے اس کی تاریخ یہ ہے کہ حضرت گنگوہی نے اس فتنہ (ترک تقلید) کے مقابلہ میں جو غیر مقلدیت شکل میں نمایاں ہوا، بطور اختیاری مضمون کے حدیث کے دورے کا افتتاح کیا، وہی دورہ گنگوہ والا دیوبند میں

جاری ہے۔" (پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت: 90/2؛ منقول علمائے اہل حدیث کی خدمات، از مولانا ارشادات اثری حفظہ اللہ: ص 61)

مولانا مناظر احسن گیلانی کے شاگرد رشید قاضی محمد عبدالرحمن ایم اے عثمانی لکھتے ہیں:

"اہل حدیث کی یہ تحریک بجائے خود کیا تھی، کیسی تھی، مجھے اس سے بحث نہیں تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ حنفی مسلمانوں میں "الکتاب والسنۃ" کے پڑھنے پڑھانے کا جو ذوق عام ہو گیا اس میں بہت کچھ دخل اسی تحریک کو ہے۔" (تدوین فقہ: ص 59؛ منقول علمائے اہل حدیث کی خدمات، مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ: ص 141)

اسی طرح ایک قد آور حنفی، دیوبندی معروف عالم دین جن سے میری ملاقات ہے، جو علامہ ڈاکٹر خالد محمود کے نام سے جانے جاتے تھے، وہ لکھتے ہیں:

"جماعت اہل حدیث سے ہمیں تحقیقات حدیث میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پچھلی (انیسویں) صدی میں اپنی بے بضاعتی کے باوجود حدیث کے جھنڈے انہی لوگوں نے قریہ قریہ اور شہر شہر اٹھائے ہیں، اس وقت نہ انہیں کوئی بیرونی امداد حاصل تھی جس کے سہارے بڑی بڑی بلڈنگیں اور تنظیمیں بنی ہوں، بس ایک جذبہ اور ولولہ تھا جوان کے عوام کو ہر جگہ تراجم حدیث اٹھائے لئے پھرتا تھا، میں سچ کہتا ہوں کہ برصغیر میں اگر ترک تقلید کی ہوا نہ چلتی تو علمائے دیوبند بھی اورنگ زیب سے آگے نہ بڑھتے۔ (آثار الحدیث، ڈاکٹر علامہ خالد محمود: 23/2؛ منقول از برصغیر میں اگر وہابی نہ ہوتے)

غیر اہل حدیث بزرگوں کی اس طرح کی کھلی اعترافی شہادتیں سینکڑوں کی تعداد میں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ دو تین بزرگوں کے اعترافی بیانات کو بطور مثال نقل کر دیا ہے۔

زیر نظر کتاب پچھلی ایک ڈیڑھ صدی میں تامل ناڈو جنوبی ہند کی انہی نفوس قدسیہ اہل حدیث حضرات کے احیاء کتاب وسنت کی جد وجہد کی سنہری تاریخ ہے۔ جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں قرآن وحدیث کی دعوت عام کرنے میں جن علماء اور رؤساء نے اہم کردار ادا کیا ہے ان کی خدمات کی مکمل نہیں بلکہ ایک ادنی سی جھلک ہے۔

خطہ مدراس میں کتاب وسنت کے احیاء کی تاریخ مادر علمی جامعہ دارالسلام عمرآباد کے تذکرہ کے بغیر نامکمل ہو گی۔ لگ بھگ ایک صدی سے یہ ادارہ کتاب وسنت کی تعلیم واشاعت میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔ محسن جنوبی ہند، بانی جامعہ جناب کاکا محمد عمر خود اہل حدیث گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ سونے پر سہاگہ آپ نے امرتسر پنجاب میں برسوں اہل حدیث غزنوی علمائے کرام بالخصوص مولانا سید عبد اللہ غزنوی اور مولانا سید عبد الجبار غزنوی کے دروس اور صحبتوں سے فیض اٹھایا اور کتاب وسنت کے شیدائی بن گئے۔ پھر انہی غزنوی بزرگوں کی ایماء، مشورے اور دعاؤں سے بڑے خلوص دل کے ساتھ 1924ء میں جامعہ دارالسلام کی بنیاد رکھی، آپ 1918ء میں تامل ناڈو جمعیت اہل حدیث جس کا نام اس وقت "انجمن اہل حدیث" تھا اس کے پہلے صدر منتخب ہو کر جمعیت کی خدمت کی تھی۔ (اخبار اہل حدیث امرتسر، 5 دسمبر، 1922ء، ص 3-4)

کاکا خاندان کے دیگر معزز بزرگوں کے علاوہ بانی جامعہ کے ہم نام، مایہ ناز پوتے، حکمت ودانائی کے پیکر جناب کاکا محمد عمر (ثانی) تامل ناڈو جمعیت کے کلیدی عہدوں پر سالوں فائز رہے۔ ان کا مسکراتا، دمکتا چہرہ، کریمانہ چال، مدبرانہ گفتگو، حکیمانہ فیصلے جلال وجمال اور ان کا" تامل ناڈو جمعیت اہل حدیث" کا نائب صدر کا عہدہ سنبھالنا مجھے اب بھی اچھی طرح یاد ہے۔ اللہ ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں انبیاء، صدیقین، شہداء وصالحین کے ساتھ بنائے آمین۔ آپ مجھے بہت ہی عزیز رکھتے تھے، جامعہ کے ہر مہمانِ خصوصی کی خدمت کیلئے میرا ہی انتخاب فرماتے تھے۔ جامعہ دارالسلام کے کئی نامور نظماء اور اساتذہ مثلا شیخ العرب والعجم مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا عبدالوہاب آروی، شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی، شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالواجد عمری رحمانی، شیخ الحدیث حکیم مولانا عبدالسبحان اعظمی، شیخ الحدیث مولا نا ظہیر الدین اثری رحمانی وغیر ہم صوبائی جمعیت بلکہ بعض نے ملکی جمعیت کے بھی کلیدی عہدوں پر فائز ہو کر کتاب وسنت کی شمع جلائی، جامعہ کے کئی فارغین فضلاء نے ملک بلکہ بیرونی ملک میں بھی جمعیت اہل حدیث کے کلیدی عہدوں پر فائز ہو کر قرآن وحدیث کے پرچم کو بلند کیا ہے اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ میرا ننھال مدراس ہے۔ میرے نانا محترم پروفیسر مولانا عبد العزیز جامی عمری بی اے، اسی جامعہ دارالسلام عمرآباد کے فارغ التحصیل تھے، پورے 55 سال آپ نے جمعیت اور دیگر مختلف پلیٹ فارمس کے ذریعہ شہر مدراس اور صوبہ میں قرآن وحدیث کی خالص دعوت کو عام کیا۔ آپ کی دعوت سے صوبہ کے سینکڑوں تجار، عوام وخواص عالی بالکتاب والسنہ ہوئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی کا خانوادہ بالخصوص استاد محترم مولانا عبد السبحان اعظمی عمری، مولانا خلیل الرحمن اعظمی عمری، مولانا حبیب الرحمن اعظمی عمری، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری مدنی نے کتاب وسنت کی دعوت کو عام کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ اسی خانوادۂ کے چشم وچراغ اور ابن جامعہ شیخ انیس الرحمٰن اعظمی عمری مدنی صوبائی جمعیت اہل حدیث تامل ناڈو وپانڈی چیری کے موجودہ امیر ہیں۔ صوبہ کے سابق امیر خطیب شہیر، استاد محترم مولانا محمد عبد اللہ عمری مدنی حیدرآبادی بھی اسی ادارہ کے فارغ التحصیل ہیں۔

مولانا محمد ثناء اللہ عمری ایم اے عثمانی سے کون واقف نہیں ہے، جن کو میں ہند کا اسحاق بھی کہتا ہوں، مجلہ اہل حدیث ہریانہ میوات کے ایک عرصہ سے معاون مدیر رہ کر آپ نے مسلک اہل حدیث کی آبیاری کی ہے، آپ سینکڑوں سلفی علماء کے سیرت نگار ہیں، آپ کی اب تک 10 سے زائد تصنیفات منظر عام پر آ کر نہ صرف داد تحسین حاصل کر چکی ہیں بلکہ تاریخ دانوں کے لئے مرجع کا رول ادا کر رہی ہیں۔ آپ نے مادر علمی میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے پہلے ڈائریکٹر بن کر اس ادارہ میں تصنیف و تالیف کی بنیاد ڈالی ہے۔ آپ اسی ادارہ جامعہ دارالسلام کے فارغ التحصیل ہیں۔

عالمی شہرت یافتہ تالیف، کتاب حدیث "الجامع الصحیح الکامل في الحدیث الصحیح الشامل" کے مؤلف، کلیۃ الحدیث جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے عمید اور استاد حدیث ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی عمری مدنی بھی اسی جامعہ دارالسلام عمرآباد کے فارغ التحصیل ہیں۔

مسلک اہل حدیث کے ایک ستون "امام ابن تیمیہ" کی سیرت پر مشتمل ضخیم تصنیف کے مصنف مولانا محمد یوسف کوکن بھی ایک عمری ہی ہیں فہرست بہت طویل ہے جناب حفیظ جالندھری کے ایک مصرعہ کو معمولی تصرف کے ساتھ مادر علمی جامعہ دار السلام عمرآباد کے نام کرتا ہوں۔

ایک صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

اس وقت یہ میرا موضوع نہیں ہے، مجھے صوبہ تامل ناڈو میں مسلک کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت میں مادر علمی جامعہ دارالسلام عمرآباد کے کلیدی رول کو بھی ریکارڈ میں لانا مقصود ہے۔

ایک صدی یا اس سے زائد عرصہ پر محیط تاریخی معلومات گھوم پھر کر اکٹھا کرنا جگر گردے کا کام ہے، مجھے اس کا خوب اندازہ ہے۔ میرے دوست محسن و مؤرخ جماعت ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کے ساتھ دو دہائیوں سے زائد عرصہ سے منسلک ہوں۔ برصغیر میں تاریخ اہل حدیث کی خدمات پر مشتمل تاریخی مواد کو اکٹھا کرنا اور اس کو تنقیح و تصحیح کے بعد کتابی شکل میں شائع کرنے کی مہم میں آپ کے ساتھ ایک ادنیٰ معاون کی حیثیت سے جڑا ہوا ہوں۔ یہ کتنا مشکل کام ہے اس کا مجھے خوب علم ہے۔ جو حضرات اس وادی پر خار سے نہیں گزرے ہیں انہیں اس راہ کی تکالیف کا قطعاً علم نہیں ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ، اب تک تاریخ اہل حدیث کی 9 ضخیم جلدیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ مزید 5 جلدوں کا مواد مرتب ہو کر طباعت کے مرحلے سے گذرنے والا ہے۔ ان شاءاللہ

"ریاست تامل ناڈو میں مسلک اہل حدیث کے علم برادر" کا یہ تاریخی مسودہ در اصل میرے کرم فرما ڈاکٹر آر کے نور محمد عمری مدنی سابق ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث تامل ناڈو و پانڈی چیری و رکن دستور کمیٹی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی تحریک کا ثمرہ ہے اور آپ ہی کے خواب کی تعبیر بھی۔ ڈاکٹر آر کے نور محمد عمری ہی نے اس کا خاکہ وخطہ بنایا تھا اور اس پروجیکٹ کی تیاری کے لئے باضابطہ طور پر مولانا محمد انعام الحق عمری کو مکلف کیا تھا۔ اپنے رفقاء و معاونین سے اس کے اخراجات کا بیڑا بھی اٹھایا تھا لیکن اللہ کی مرضی! اس پروجیکٹ کی تکمیل سے قبل ہی آپ نے اپنے خالق و مالک کے بلاوے پر لبیک کہا اور ہم سے جدا ہو گئے۔ اللّٰھُمَّ اغفر له وارحمه ...

آپ نے اول دن سے ہی مجھے اس پروجیکٹ سے آگاہ کر رکھا تھا اور تعاون کی اپیل بھی کر رکھی تھی۔ کئی مرتبہ آن لائن میٹنگز میں مجھے اپنے ساتھ شریک رکھا اور مشورہ لیتے رہے۔ ان کی مرضی اور خواہش تھی کہ یہ مسودہ صوبائی جمعیت اہل حدیث تامل ناڈو و پانڈی چیری کی سرپرستی میں شائع ہو، یہی وجہ تھی کہ اس کے لئے میں نے کوشش کی لیکن بوجوہ یہ ممکن نہ ہو سکا۔ بہر حال چونکہ ڈاکٹر آر کے نور محمد عمری مدنی کا یہ پروجیکٹ تھا اور مولانا محمد انعام الحق عمری نے بڑی لگن سے اپنی بساط کے مطابق مواد جمع کیا تھا۔ اس کو ضائع ہونے سے بچانا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

مولانا محمد انعام الحق عمری بھی ایک لمبے عرصہ سے مجھ سے رابطہ میں رہ کر مشورے لیتے رہے۔ انہوں نے بہت پہلے اپنا کچا مسودہ بھیج کر مجھ سے مشورہ لیا تھا۔ پھر جب یہ مکمل تیار ہو گیا تو اس کو بھی نظر ثانی کی غرض سے بھیجا اور تقریظ لکھنے کی بھی استدعا کر ڈالی۔ لیکن افسوس پچھلے چند ماہ سے میں اس قدر مصروف رہا ہوں کہ چاہ کر بھی اس تاریخی مسودہ کو حرفاً حرفاً پڑھ نہیں سکا۔ فہرست اور چیدہ چیدہ ورق گردانی سے اندازہ ہوا کہ اب تک جو کچھ مواد اکٹھا ہوا ہے وہ سردست بہت غنیمت ہے، کمی اور کوتاہیوں کا ازالہ دوسرے ایڈیشن میں کیا جا سکتا ہے۔ کمال تو اللہ کی ذات کو حاصل ہے۔ یہ تاریخی مسودہ صوبہ تامل ناڈو و پانڈی چیری کی جماعت اہل حدیث کی روداد ہے۔ اس کی ماضی کی تصویر ہے۔ موجودین کے لئے غذا اور مستقبل کی منصوبہ بندی کے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے۔

برادر عزیز مؤلف کے مطالبہ اور مسلسل اصرار پر میں نے یہ چند سطریں لکھی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ اس کوشش کو جماعتی حلقے میں سراہا جائے گا۔ ان شاءاللہ

میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ

وہ اس مسودہ کو مفید بنائے، محرک محترم ڈاکٹر آر کے نور محمد عمری مدنی اور مؤلف مولانا محمد انعام الحق عمری صاحب سمیت تمام معاونین کو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين

☆☆☆

حدیث نمبر: 39

عَن عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا : أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ، سَأَلَت النَّبِيّ ﷺ، فقَالَتْ : إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلاَ أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلاَةَ؟ فَقَالَ: «لاَ، إِنّ ذَلِكَ عِرْقٌ، وَلَكِنْ دَعِي الصّلاَةَ قَدْرَ الأَيَامِ الّتِي كُنْتِ تَحِيضِينَ فِيهَا، ثُمّ اغْتَسِلِي وَصَلّي.»

وَفِي رِوَايَةٍ: «وَلَيْسَتْ بِالحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصّلاَةَ فِيْهَا، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي عَنْكِ الدّمَ وَصَلّي.»

[رواه البخاري، كتاب الحيض، باب إذا حاضت في شهر ثلاث حيض بلفظه، برقم 325، رواه البخاري، كتاب الحيض، باب الاستحاضة، برقم 306، ومسلم، برقم 333]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدہ ام المومنین عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ بنت ابی حُبَیْش ؓ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھے استحاضہ کا عارضہ لاحق ہے کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا: نہیں یہ رگ کا خون ہے لیکن تو نماز چھوڑ دیا کر اتنے دنوں کے مطابق جتنے دن تجھے حیض آیا کرتا تھا پھر تو غسل کر اور نماز پڑھ۔ اور ایک روایت میں ہے تو اپنے سے خون دھولیا کر اور نماز پڑھ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: امْرَأَةٌ : عورت۔

2: أُسْتَحَاضُ: استحاضہ کا خون آنا۔

3 : عِرْقٌ: رگ، آنت۔

4 : اِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ :جب حیض آئے۔

5 : دَعِي الصَّلَاةَ : نماز چھوڑدے۔

6: الدّمَ :خون۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1: اہل علم سے مسائل کا پوچھنا جیسے سیدہ فاطمہ بنت ابی حبیش ؓ نے پوچھا۔

2۔ عورت کا مرد سے مسائل پوچھنا جائز ہے جیسے سیدہ فاطمہ بنت ابی حبیش ؓ نے پوچھا۔

3۔ اکیلی عورت مرد سے خلوت میں مسائل نہ پوچھے بلکہ اس مرد کی بیوی یا محرمہ کی موجودگی میں یا اپنے کسی محرم کی موجودگی میں پوچھے۔ جیسے سیدہ فاطمہ بنت ابی حبیش ؓ نے پوچھا۔ البتہ آج کل فون پر مسائل پوچھے جا سکتے ہیں بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

4۔ استحاضہ اور حیض کے خون کے نکلنے کی جگہ ایک ہی ہے مگر ان کے حکم میں فرق ہے حیض کے دن مخصوص ہوتے ہیں جبکہ استحاضہ ایک بیماری ہے جس کی کوئی حدبندی نہیں۔

5۔ استحاضہ کے خون سے نماز و روزہ اور دیگر عبادات کا فریضہ اسی طرح سرانجام دیا جائے گا جیسے عام دنوں میں۔

6۔ حیض کے دنوں میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا ممنوع و حرام ہے۔ البتہ باقی کام اور ذکر و اذکار وغیرہ پر کوئی پابندی نہیں۔

7۔ جو خاتون استحاضہ میں مبتلا ہے وہ اپنے حیض کے دنوں کا حساب لگا کر نماز و روزہ چھوڑے گی اور جب وہ دن گزر جائیں تو غسل کر کے نماز کی ادائیگی کرے گی۔

8۔ استحاضہ اور حیض کے خون کی رنگت میں فرق ہوتا ہے۔ استحاضہ کا خون زردی مائل جبکہ حیض کا خون سیاہی مائل اور بدبودار ہوتا ہے۔

9۔ حیض کا خون پلید ہوتا ہے جس کا دھونا واجب ہے۔

10۔ حیض کا خون رحم کے اندر سے جبکہ استحاضہ کا خون رحم کے باہر کسی رگ کے زخمی وغیرہ ہونے کی صورت میں آتا ہے۔

11۔ حیض کے دنوں کے فرض روزوں کی قضا ضروری ہے۔ البتہ اس دوران کی نمازوں کی قضا نہیں ہے۔

12۔ حیض کی وجہ سے صرف عورت کو نماز و روزہ سے منع کیا گیا ہے اس وجہ سے عورت کا باقی جسم پلید نہیں ہوتا ہے وہ کھانا وغیرہ پکا سکتی ہے اور اپنے خاوند سے جماع کے علاوہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ حدیث میں فلا أطهر (میں پاک نہیں رہتی) سے مراد نماز کے قابل ہونے والی طہارت ہے۔

حدیث نمبر:40

عَن عَائِشَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنّ أُمّ حَبِيبَةَ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ، فَسَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ، فَأَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ، قَالَتْ : فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلاَةٍ.

[رواه البخاري، كتاب الحيض، باب عرق الاستحاضة، برقم 327، بلفظه، ومسلم، كتاب الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، برقم 334.]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدہ ام المومنین عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ سیدہ ام حبیبہ ؓ سات سال تک استحاضہ میں مبتلا رہیں اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا آپ نے اسے غسل کرنے کا حکم دیا تو وہ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔(بخاری و مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : أُسْتُحِيضَتْ :استحاضہ میں مبتلا ہوئی۔

2 : سَبْعَ سِنِينَ :سات سال

3 : أَمَرَهَا:اسے حکم دیا۔

4 : أَنْ تَغْتَسِلُ: غسل کرنا۔ (أَنْ مصدریہ سے فعل مصدر کے معنی میں ہو جاتا ہے)

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ حیض کے ایام گزر جانے کے بعد غسل فرض ہو جاتا ہے۔

2۔استحاضہ میں مبتلا خاتون کے لیے غسل ہر نماز کے لیے فرض نہیں ہے۔البتہ ہر نماز کے لیے وضوء فرض ہے۔

3۔ سیدہ ام حبیبہ ؓ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں اور افضل ہے کہ کوئی عورت اس بیماری میں ہر نماز کے لیے غسل کرے لیکن ایک بار غسل کے بعد ہر نماز کے لیے صرف وضوء ہی فرض ہے اور اس سے سیدہ ام حبیبہ ؓ کا کمال تقوی تھا کہ سات سال ہر نماز کے لیے غسل کرتی رہیں۔اس میں ہماری خواتین کے لیے بہت بڑا سبق ہے کہ عورت بھی کتنی مضبوط اور تقویٰ کی مالک ہو سکتی ہے۔

4۔سیدنا علی ، سیدنا عبداللہ بن عباس ، سیدہ عائشہ ؓ وغیرہ مستحاضہ عورت کے غسل واجب ہونے کے قائل نہ تھے۔امام ابو حنیفہ ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا موقف بھی یہی تھا کہ مستحاضہ عورت کے لیے غسل واجب نہیں۔وہ صرف حیض کے دن گذرنے کے بعد غسل کرے گی۔

5۔ بیماری لمبی ہونے کی صورت میں ناامید نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے شفا رکھی ہے اور شفا کا وقت کسی انسان کو معلوم نہیں ۔ مومن کو بیماری کی صورت میں بڑا اجر ملتا ہے۔اس لیے کسی بھی بیماری میں صبر و شکر کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

6۔بعض صورتوں میں بعض لوگوں کی بیماری کا ذکر کیا جا سکتا ہے جب اس کے ذکر کرنے سے عوام کو فائدہ ہو۔ سیدہ ام حبیبہ ؓ کے اس واقعہ کے بیان سے جہاں استحاضہ والی عورت کا نمازوں کی ادائیگی کا افضل طریقہ معلوم ہوتا ہے وہاں باقی مسلمان خواتین کو ان کے عظیم صبر و شکر اور مضبوط ایمان و تقویٰ سے بہت حوصلہ ملتا ہے۔

نعت رسول ﷺ

تھے جہالت میں جو ان کو علم والا کر دیا
آپؐ کی تعلیم نے پتھر کو ہیرا کر دیا

قاتلوں کو فضل ربی نے مسیحا کر دیا
ایک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

کر دیا توحید نے دنیا میں برپا انقلاب
نور ایماں سے زمانہ میں اجالا کر دیا

علم وتہذیب وتمدن سے نہ تھے جو آشنا
دے کے ان کو دولت ایمان اعلیٰ کر دیا

کتنی صدیوں سے پرستش جن کی ہوتی تھی وہاں
توڑ کر بت پاک ان سے صحن کعبہ کر دیا

ازم سارے دیکھ ڈالے جس میں تھی تاریکیاں
مصطفیٰ نے لا الہ سے اجالا کر دیا

دین حق نے بنت حوا کو شرف بخشا مگر
دے کے آزادی جہاں نے اس کو گھٹیا کر دیا

جیت لیتے تھے دلوں کو کس طرح سے مصطفیٰ
آپ نے پتھر دلوں کو موم جیسا کر دیا

اس طرح گھیرے ہوئے رہتے صحابہ آپؐ کو
چاند کے اطراف جوں تاروں نے ہالہ کر دیا

آپؐ کے اخلاق کو رب نے کہا خلق عظیم
سیرت وکردار نے لوگوں کو شیدا کر دیا

صرف منہ سے دعوائے عشق نبیؐ ثاقب نا کر
چل کے سنت پر سلف نے بول بالا کر دیا

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی

مالی جرمانے کا حکم

سوال: میں نے ایک پارٹی سے کاروبار کے لیے ایک دکان تعمیر کروانے کا معاہدہ کیا ہے، میں ماہوار ادائیگی کا پابند ہوں، مجھے معاہدہ کی تفصیلات کی اس شق کا بعد میں علم ہوا کہ اگر میں کوئی قسط بروقت نہ دے پایا تو مجھے جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔ اب میں کچھ رقم بطور ایڈوانس دے چکا ہوں تو کیا میں اس معاہدے کو منسوخ کردوں؟ اور ایسی صورت میں مجھے اپنی دی گئی رقم سے محروم ہونا پڑے گا اور کیا یہ معاہدہ سودی معاملہ اعتبار ہوگا؟

جواب: یہ بات درست ہے کہ اگر آپ قسط بروقت ادا نہ کرسکے تو آپ کو جو جرمانہ ادا کرنا ہوگا وہ سود کے زمرے میں آئے گا اور اس لیے اس قسم کی شرط کا معاہدے میں رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اس قسم کی شرط کسی غیر مالی معاہدے میں رکھی جاسکتی ہے جیسے یہ کنٹریکٹر کے بارے میں یہ شرط رکھنا کہ اگر اس نے وقت پر بلڈنگ تیار نہ کی تو اس پر ایک خاص رقم کو بطور جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

اسلامک بنکنگ نے اس مسئلہ کا حل نکالنے کی کوشش کی ہے، وہ اس لیے کہ اگر ایک پارٹی وقت پر قسط کی ادائیگی نہیں کرتی تو کنٹریکٹر کو نقصان ہوسکتا ہے اور اس لحاظ سے خریدار پر قسط نہ ادا کرنے کی صورت میں کسی بھی قسم کا جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے اور سود سے بچنے کے لیے اس کا یہ حل تجویز کیا گیا ہے کہ وہ جرمانہ تو ادا کرے گا لیکن جرمانے کی رقم کنٹریکٹر کے اپنے فائدے کے لیے نہیں ہوگی بلکہ وہ اسے کسی رفاہی کام کرنے والی تنظیم کو دینے کا پابند ہوگا اور اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کنٹریکٹر اس رفاہی ادارے کے نام سے علیحدہ اکاؤنٹ کھولنے کا پابند ہوگا کہ جس میں جرمانے کی رقم ادا کی جائے گی۔

سائل نے چونکہ پہلے ہی سے ایک ایڈوانس رقم جمع کروادی ہے اور کنٹریکٹر بھی مسلمان ہے تو ہم اس کے سامنے دو تجاویز رکھتے ہیں:

1۔ وہ کنٹریکٹر کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ اس حل کو اپنائے جو اسلامک بنکنگ نے تجویز کیا ہے یعنی مارگیج سے متعلق معاملات میں بر وقت قسط نہ ادا کرنے پر جو جرمانہ عائد کیا جائے گا وہ کسی چیریٹی کو جائے گا، کنٹریکٹر کے اپنے مفاد کے لیے نہ ہوگا۔

2۔ چونکہ سائل پہلے ہی ایک رقم بطور ایڈوانس دے چکا ہے جو نا قابل واپسی ہے، اس لیے وہ اس معاہدے کو جاری رکھے لیکن اس نیت کے ساتھ کہ وہ ہر قسط بروقت ادا کرتا رہے گا تاکہ جرمانہ دینے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اس رائے کی بنیاد نظریہ ضرورت پر ہے، جیسے ویزا کارڈ کا استعمال کرنا کہ اس کے بغیر مفر نہیں ہے۔

اور وہ اس طرح کہ آج کل بعض جگہوں پر بغیر کارڈ کے ادائیگی نہیں ہوسکتی اور کارڈ میں یہ شرط شامل ہے کہ اگر کارڈ سے ادا کردہ رقم 28 دنوں تک ادا نہ ہوئی تو کارڈ کے حامل کو یہ رقم سود کے اضافے کے ساتھ ادا کرنی ہوگی۔

سائل اپنی لاعلمی کی بنا پر ایسے معاہدے کا پابند ہوچکا ہے جس میں ویزا کارڈ سے ملتی جلتی صورت کا سامنا ہے۔ اس لیے اس کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تجویز پیش کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

فال لینے کا حکم

سوال: دعوت و تبلیغ کے علاوہ میں زندگی کے اجتماعی معاملات کو بہتر بنانے کے لیے بھی مختلف کام کرتا رہتا ہوں، اس میں ایک پروگرام ازدواجی زندگی میں بہتری پیدا کرنا بھی ہے اور اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رجولت یعنی مردانگی کیا ہے؟

آج کل کے ماحول میں ہمارے اپنے نوجوان طبقہ کے نزدیک مرد وہ ہے جو خوب مال کماتا ہو، خوبصورت ماہ جبینوں کے ساتھ میل ملاپ رکھتا ہو، جسمانی لحاظ سے بھی توانا اور تندرست ہو، ہم نے اس غلط مفہوم کے سدباب کے لیے انسانی ذات کی نشوونما کا نظام ترتیب دیا ہے جس میں اسلامی خطوط پر رجولیت کے اوصاف نمایاں کیے گئے ہیں، اس میں ایک شخص کا مسجد سے تعلق، شریعت کا علم، مثالی شوہر کا کردار، محبت اور نفرت دونوں حالتوں میں ایک متوازن طرز حیات شامل ہیں اور اس کے علاوہ تجارت اور صحت کے اعتبار سے بھی بحث کی گئی ہے۔ ہم دراصل انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہترین رجال کار کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے ہیں اور ہم نے اس پروگرام کے لیے عدد 313 کو عنوان بنایا ہے جس سے ہماری مراد غزوہ بدر کے صحابہ ہیں۔ ہم نے یہ عدد اپنے اس پروگرام کی تشہیر اور اسے قابل قبول بننے کے لیے بنایا ہے۔ ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم اس عدد سے تبرک حاصل کرنا چاہتے ہیں یا اسے تقرب الی اللہ کا زینہ بنانا چاہتے ہیں تو اس بارے میں آپ کیا حکم صادر کریں گے؟

جواب: میرے نزدیک یہ ایک اچھوتا پروگرام ہے جس کی افادیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، قرآن مجید کی کئی آیات میں 'رجال' کے لفظ کیساتھ ان خصوصیات کا بیان ہوا ہے جو ایک مسلمان مردوں کی سوسائٹی

میں ہونی چاہئیں۔ مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں:

سورۃ النساء کی آیت جس میں مرد کے بحیثیت قوام ہونے کی ذمہ داریوں کو بتایا گیا ہے، سورۃ التوبہ کی آیت 108 رجال کا تعلق ایسی مسجد سے جو تقویٰ وطہارت کی بنیاد پر بنائی گئی ہو۔

سورۃ النور کی آیت 37 اس میں بھی ان 'رجال' کی مدح کی گئی ہے جو مسجد سے تعلق رکھتے ہیں، سورۃ الاحزاب کی آیت 23 وہ رجال جنہوں نے ساری زندگی اللہ کے ساتھ کیے گئے عہد وپیمان کی پاسداری میں گزاری ہے۔

سورۃ الفتح کی آیت 25 جس میں مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی شہر مکہ میں موجودگی کی بنا پر کفار قریش پر چڑھائی کرنے سے اجتناب کیا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے دور خلافت میں کہا کرتے تھے کہ "أين الرجال؟" (مرد کہاں ہیں؟) یعنی وہ رجال کار جو اپنی ہمت، عزیمت اور قوۃ ارادہ کی بنا پر بڑے بڑے کام سرانجام دے سکتے ہیں۔

اس پروگرام کے لیے 313 کے عدد کا بطور عنوان انتخاب کرنا اچھی فال لینے کے ضمن میں آتا ہے، نبی کریم ﷺ کبھی کوئی اچھی بات سنتے یا اچھا نام آپ کے سامنے لیا جاتا تو اسے بابرکت سمجھتے اور اس کا اظہار بھی کرتے۔ آپ نے اچھا شگون لینے کو جائز قرار دیا اور بدشگونی سے منع فرمایا۔ اچھا شگون انسان کو ہمت اور بہادری عطا کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں بدشگونی انسانی کی ہمت کو پست کرتی ہے۔

ہم یہاں صرف ایک واقعہ پیش کریں گے جس کے راوی سیدنا بریدہ بن حصیب الاسلمی ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"اور جب نبی ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے تو وہاں ان کی ملاقات ابو عبد اللہ بریدہ بن حصیب الاسلمی سے ہوئی جو اپنی قوم کے ستر افراد کے ساتھ آئے تھے، نبی ﷺ نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ کہا: بریدہ، تو نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: «برد أمرنا وصلح» "ہمارا کام ٹھنڈا ہو گا اور ٹھیک رہے گا۔"

پھر پوچھا: کس قبیلے سے؟ کہا: قبیلہ اسلم سے۔

تو پھر ابو بکر سے کہا: "سلمنا" (ہم سلامتی کے ساتھ رہیں گے۔"

پھر پوچھا: کس کی اولاد میں سے ہو، کہا: بنی سہم سے، تو ابو بکر سے کہا: «خرج سهمك يا أبا بكر» "تیرا حصہ نکل آیا، اے ابو بکر۔"

تو بریدہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: آپ کون ہیں؟

کہا: میں ہوں محمد بن عبد اللہ، اللہ کا رسول!

تو بریدہ نے کہا: أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله

اور یوں بریدہ بھی مسلمان ہو گئے اور جتنے لوگ ان کے ساتھ آئے تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے، بریدہ نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ بنو سہم بغیر کسی دباؤ کے، اپنی مرضی سے اسلام لے آئے۔

جب صبح ہوئی تو بریدہ نے نبی ﷺ سے فرمایا: "اے اللہ کے رسول! آپ جب مدینہ میں داخل ہوں تو آپ کے ساتھ ایک جھنڈا ہونا چاہیے! پھر خود ہی اپنا عمامہ کھولا، پھر اسے ایک نیزے میں باندھا اور پھر وہ آپ کے آگے آگے چلتے گئے یہاں تک کہ سب مدینہ میں داخل ہو گئے۔ (دلائل النبوہ، بیہقی)

اب ملاحظہ ہو کہ نبی ﷺ کیسے ہر اچھے نام سے ایک اچھا مطلب رہے ہیں۔ اسے ہی فال حسن کہا جاتا ہے۔

عدد کے اعتبار سے کئی مثالیں ذہن میں آسکتی ہیں: فرض کیجیے کہ کوئی شخص آپ کے سامنے 'عشرہ (10)' کہتا ہے تو آپ کہتے ہیں:

ان شاء الله- عشرة مبشرة بالجنة "وہ 10 صحابی جن کو جنت کی بشارت دی گئی۔"

ایسے ہی اگر آپ 313 عدد بطور عنوان رکھیں گے تو قاریٔ اور سامع کے ذہن میں فوراً اصحاب بدر کا خیال آئے گا جو کہ ایک نیک فال تصور ہو گا۔ اس لیے ہماری رائے یہی ہے کہ اس عنوان کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کا تعلق تبرک سے نہیں ہے۔ واللہ اعلم

مال مسروق کا حکم

سوال: مال مسروق کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں، رقم بڑی ہے اور اس کا ادا کرنا بھی کافی مشکل ہے، چوری کرنے والے نے مالک کے نام خط لکھ کر اس سے معافی بھی مانگی ہے لیکن مالک نے کوئی جواب نہیں دیا، تو چوری کرنے والے نے دوبارہ خط لکھ کر اس سے بنک کی تفصیلات طلب کی ہیں تاکہ وہ اپنی مالی حیثیت کی بنا پر تھوڑا تھوڑا کر کے رقم اس کے بنک میں تحویل کرتا رہے۔ یہ شخص شرم کے بارے اس سے ملاقات کرنے کی ہمت نہیں کر پاتا۔ دوسرے خط کا جواب بھی اس نے نہیں دیا تو اب وہ کیا کر سکتا ہے؟

جواب: چور پورا مال ادا کرنے کا ذمہ دار ہے الا یہ کہ مالک مال اسے معاف کر دے، بہر صورت وہ کچھ بچت کرتا رہے اور مال مسروقہ کے برابر رقم جمع کرنے کی کوشش کرے، ادائیگی کی ایک صورت تو یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ یہ رقم ایک ملفوف میں رکھ کر اس کے پتے پر خود ڈال آئے یا کسی کے ذریعہ بھجوا دے اور اگر ایسا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو اسے کسی حاجت مند کو دے دے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو سکے اور اللہ سے دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اخروی محاسبہ اور عقوبت سے بچا لیں اور اگر بعد میں کسی بھی وقت وہ شخص اس مال کا مطالبہ کرے تو اسے یہ مال اسے ادا کر دینا چاہیے، اگر اس کے لیے قرض بھی لینا پڑے تو قرض لے کر اس مال کی ادائیگی کرے۔ اسے شکر کرنا چاہیے کہ صاحب مال نے اس کا خط ملنے کے باوجود قانون تک رسائی حاصل نہیں ورنہ وہ سزا کا مستحق ہو جاتا۔ واللہ اعلم

ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ (سورۃ النساء:36)

”والدین کے ساتھ، قریبی رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، قرابت دار ہمسائے، اجنبی ہمسائے، پہلو کے ساتھی اور راہ چلتے مسافر کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ.» (صحيح بخارى، كتاب الأدب، باب الوصاة بالجار: 6014، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب الوصية بالجار والإحسان إليه: 2624)

”جبرائیل علیہ السلام مجھے ہمسائے کے ساتھ (حسنِ سلوک کی) مسلسل وصیّت کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ اسے وراثت میں شریک کر دیں گے۔“

سیدنا جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک کی اس قدر شدید اور مسلسل تاکید فرماتے رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گمان گزرنے لگا کہ شاید اسے وراثت میں ہی شامل کر دیا جائے گا، یعنی جس طرح وارث اپنے مورّث کے مال کا حقدار ہوتا ہے اسی طرح ہمسائے کے بھی اس حق کا اہل ہونے کا گمان ہونے لگا۔

سیدنا ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَىٰ جَارِهِ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ.» وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ: «فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ.» (صحيح بخارى، كتاب الأدب، باب إكرام الضيف، وخدمته إياه بنفسه: 6135، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الحث على إكرام الجار والضيف، ولزوم الصمت إلا عن الخير: 48)

”جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان اور آخرت (کے واقع ہونے) پر یقین رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزّت کرنی چاہیے، اور جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے اور جو اللہ و روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے یا تو اچھی بات کرنی چاہیے یا پھر خاموش ہی رہنا چاہیے اور سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے۔“

گویا ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ ہمسائے کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمسائے کے ساتھ بُرا سلوک کرنے والا کامل طور پر مومن نہیں ہے۔

سیدنا ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ.» ثَلَاثَةً، قَالُوا: وَمَنْ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الْجَارُ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ.» قَالُوا: وَمَا بَوَائِقُهُ؟ قَالَ: «شَرُّهُ.» (صحيح بخارى، كتاب الأدب، باب إثم من لا يأمن جاره بوايقه: 6016)

”اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسا کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا ہمسایہ اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہ ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اس کی تکلیفوں سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا شر۔“

اس امر کی شدّت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قسم اُٹھا کر ایک بار نہیں بلکہ تین بار فرمایا کہ وہ شخص ایمان سے متصف نہیں ہے جس کی شر انگیزیوں اور فتنہ پردازیوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَىٰ أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: «إِلَىٰ أَقْرَبِهِمَا مِنْكَ بَابًا.» (صحيح بخارى، كتاب الشفعة، باب أي الجوار أقرب؟: 2259، مسند أحمد: 239/6)

”اے اللہ کے رسول! میرے دو ہمسائے ہیں، میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں میں دروازے کے لحاظ سے جو تمہارے زیادہ قریب ہو۔“

ایک گھر کے بہت سے ہمسائے ہوتے ہیں، اگر تو اتنی استطاعت ہو کہ سبھی کو تحفہ دیا جا سکتا ہو تو ایسا کرنا انتہائی فضیلت کا حامل عمل ہو گا، لیکن اگر اتنی استطاعت نہیں ہے بلکہ کسی ایک کو ہی دینے کی گنجائش ہو تو پھر اس ہمسائے کو تحفہ دینا چاہیے جس کا دروازہ آپ کے گھر کے قریب پڑتا ہو، کیونکہ وہی اس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

أَوْصَانِي النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِيعَ وَلَوْ لِعَبْدٍ مُجَدَّعِ الْأَطْرَافِ، وَإِذَا صَنَعْتُ مَرَقَةً أَنْ أُكْثِرَ مَاءَهَا، ثُمَّ أَنْظُرُ أَهْلَ بَيْتٍ قَرِيبٍ مِنْ بَيْتِي فَأُصِيبُهُمْ مِنْهَا بِمَعْرُوفٍ.

(صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحريمها في المعصية: 1837، الأدب المفرد للبخاری:113)

"نبی ﷺ نے مجھے (امیر کی) سمع واطاعت کی وصیت فرمائی، اگرچہ وہ ناک کان کٹا غلام ہی ہو، اور (یہ بھی وصیت فرمائی کہ) جب میں سالن تیار کروں تو اس میں پانی زیادہ ڈال لیا کروں، پھر میں دیکھوں کہ کونسا گھر میرے گھر کے قریب ہے تو انہیں بھی مناسب سا دے دوں۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَا نِسَاءَ الْمُؤْمِنَاتِ، لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ.»

(صحیح بخاری، کتاب الهبة، باب الهبة وفضلها والتحريض عليها: 2566، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة، ولو بالقليل ولا تمتنع من القليل لاحتقاره: 1030)

"اے مسلمان عورتو! کوئی بھی عورت اپنی ہمسائی (کو تحفہ دینے) کے لیے (کسی بھی چیز کو) ہرگز حقیر نہ سمجھے، اگرچہ وہ بکری کا کھر ہی ہو۔"

حقِ ہمسائیگی ادا کرنے کے لیے کسی بھی چیز کو کمتر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ جس قدر استطاعت ہو حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے، خواہ وہ ہنڈیا میں پانی زیادہ ڈال کے شوربا بنا کر اپنے سالن سے ہمسائے کو بھی حصہ دینے سے ہو یا بکری کا ایک کھر ہی میسر آنے پر اسے اپنے ہمسائے کو بہ طورِ تحفہ پیش کر دینے سے ہو، کسی بھی طرح سے حُسنِ سلوک کا جس قدر بھی مظاہرہ کیا جا سکتا ہے کرنا چاہیے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ

كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَغُلَامُهُ يَسْلُخُ شَاةً، فَقَالَ لِغُلَامِهِ: يَا غُلَامُ إِذَا فَرَغْتَ فَابْدَأْ بِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ، حَتَّى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: تَذْكُرُ الْيَهُودِيَّ أَصْلَحَكَ اللهُ، قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُوصِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنَّا أَوْ رَأَيْنَا أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ.

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في حق الجوار: 5152، سنن ترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في حق الجوار: 1943)

"ہم سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے غلام نے ایک بکری ذبح کی تو انہوں نے اپنے غلام سے فرمایا: اے غلام! جب تُو فارغ ہو جائے تو پہلے ہمارے یہودی ہمسائے کو (گوشت) دینا، آپ ﷺ نے یہ تین مرتبہ فرمایا، لوگوں میں سے ایک آدمی بولا: اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح فرمائے آپ یہودی کی بات کر رہے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک کی اس قدر وصیت فرماتے سنا کہ ہمیں گمان ہونے لگ گیا تھا کہ آپ ﷺ اسے وراثت میں بھی حصے دار بنا دیں گے۔"

معلوم ہوا کہ اگر ہمسایہ غیر مسلم ہے تو اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے، یہ حکم صرف مسلمان ہمسایوں کے بارے میں خاص نہیں ہے۔

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ.» (الأدب المفرد للبخاری: 112، مستدرك حاكم: 167/4، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 149)

"وہ شخص مومن نہیں ہے جو (خود تو) سیر شکم ہو، جبکہ اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔"

آپ ﷺ نے ایسے شخص کو مومنین کی صف سے خارج فرمایا ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے لیکن اس کے پہلو میں اس ہمسایہ بھوکا ہو۔

مہمان نوازی

ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، فَمَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ.»

(صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب إكرام الضيف، وخدمته إياه بنفسه: 6135، صحیح مسلم، كتاب الإيمان، باب الحث على إكرام الجار والضيف:48)

"جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اچھی بات ہی کہنی چاہیے، یا پھر خاموش رہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے ہمسائے کی عزت کرنی چاہیے اور جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے، ایک دِن اور ایک رات پر تکلف مہمان نوازی کرنی چاہیے اور تین دِن تک پُر تکلّف اور تین دِن تک مناسب مہمان نوازی کرنی چاہیے اور جو اس کے بعد ہو وہ صدقہ ہے، اور مہمان کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے پاس ہی بیٹھ رہے کہ اسے پریشانی میں ہی ڈال دے۔"

مہمان کی ضیافت ہر مسلمان کا اخلاقی فرض ہے،

رسولِ مکرم ﷺ نے ہر مومن شخص کو حکماً اس کی تاکید فرمائی ہے۔ مہمان کی میزبانی کی کم از کم مدت جو لازم ہے وہ ایک دِن ہے جبکہ تین دِن تک وہ اس کا حق رکھتا ہے، یعنی ایک دِن اس کی پُر تکلف خدمت کی جائے اور باقی دو دِن جو میسر ہو اور اگر تین دِن کے بعد بھی میزبان اس کی خاطر تواضع کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہو گا، یعنی میزبان کو اس مہمان نوازی کے بدلے میں صدقے کا اجر وثواب ملے گا۔ البتہ مہمان کے لیے بھی نبی کریم ﷺ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ اسے اپنے میزبان کے ہاں بیٹھ نہیں رہنا چاہیے کہ اسے مشقت میں ہی ڈال دے بلکہ وہ کوشش کرے کہ جتنا جلدی ممکن ہو اپنے گھر کو روانہ ہو جائے۔

اشہب بیان کرتے ہیں کہ

سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ.» قَالَ: تُكْرِمُهُ، وَتُتْحِفُهُ، وَتَخُصُّهُ، وَتَحْفَظُهُ يَوْمًا وَلَيْلَةً، وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ضِيَافَةً. قَالَ: وَقَالَ سُلَيْمَانُ الْخَطَّابِيُّ: مَعْنَاهُ يَتَكَلَّفُ لَهُ إِذَا نَزَلَ بِهِ الضَّيْفُ يَوْمًا وَلَيْلَةً، فَيُتْحِفُهُ وَيَزِيدُهُ فِي الْبِرِّ عَلَى مَا يَحْضُرُهُ فِي سَائِرِ الْأَيَّامِ، وَفِي الْيَوْمَيْنِ الْآخَرَيْنِ يُقَدِّمُ لَهُ مَا خَفِيَ، فَإِذَا أَمْضَى الثَّلَاثَ فَقَدْ قَضَى حَقَّهُ، فَإِنْ زَادَ عَلَيْهِ اسْتَوْجَبَ بِهِ أَجْرَ الصَّدَقَةِ. (سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في الضيافة: 3748)

”امام مالک رحمہ اللہ سے نبی ﷺ کے فرمان:

”مہمان کی ایک دِن اور ایک رات تک مہمان کی اچھی طرح ضیافت کی جائے۔“ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

میزبان اپنے مہمان کی عزت کرے، اسے تحفہ دے، اسے خصوصی اہمیت دے اور پورا ایک دِن اور ایک رات اس کی حفاظت کرے اور مہمان نوازی تین دِن تک ہوتی ہے۔

سیدنا سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مہمان اس کے ہاں آئے تو ایک دِن اور ایک رات اس کی پُر تکلّف خدمت کرے اور اسے تحفہ دے اور دیگر ایام میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور دوسرے دو دِنوں میں جو کچھ باقی ہو اسے پیش کر دے اور جب تین دِن گزر جائیں تو اس نے اپنا (مہمان نوازی کا) حق ادا کر دیا، لیکن اگر وہ اس سے بھی زیادہ کرے گا تو اس کے لیے صدقے کا اجر وثواب لازم ہو جائے گا۔“

مہمان نوازی صرف قیام وطعام کی نہیں ہوتی بلکہ مہمان کی ہر لحاظ سے خدمت، حفاظت، اکرام وتعظیم کرنا اور اپنی استطاعت کے مطابق اسے تحفہ دینا بھی مہمان نوازی میں شامل ہے۔ سیدنا ابوعبیدہ الھروی اس حدیث کے مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں کہ تین دِن تک مہمان نوازی کرے، پھر اسے اتنا دے دیا جائے کہ جو ایک دِن اور ایک رات کی مسافت میں کفایت کر سکے۔

یَجُوزُ اصل میں جِيزَۃ سے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کھانے اور پینے کی وہ مقدار جو مسافر ایک منزل سے دوسری منزل تک کے سفر کے دوران استعمال کرتا ہے۔

شقیق بیان کرتے ہیں کہ

دَخَلْتُ أَنَا وَصَاحِبِي عَلَى سَلْمَانَ فَقَرَّبَ إِلَيْنَا خُبْزًا وَمِلْحًا وَقَالَ: لَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَانَا عَنِ التَّكَلُّفِ تَكَلَّفْنَا لَكُمْ. فَقَالَ صَاحِبِي: لَوْ كَانَ مِلْحُنَا فِيهِ زَعْتَرٌ فَبَعَثَ بِمَطْهَرَتِهِ إِلَى الْبَقَّالِ فَرَهَنَهَا وَجَاءَ بِزَعْتَرٍ فَأَلْقَاهُ فِيهِ، فَلَمَّا أَكَلْنَا قَالَ صَاحِبِي: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي قَنَّعَنَا بِمَا رَزَقَنَا، فَقَالَ سَلْمَانُ: لَوْ قَنَعْتَ بِمَا رُزِقْتَ لَمْ تَكُنْ مَطْهَرَتِي مَرْهُونَةً. (مستدرك حاكم: 123/4، المعجم الكبير للطبراني: 288/6، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 2392)

”میں اور میرا ایک ساتھی سلمان کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے ہمیں روٹی اور نمک پیش کیا اور فرمایا: اگر نبی ﷺ نے ہمیں تکلّف سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم تمہارے لیے پُر تکلّف کھانا تیار کرتے۔ تو میرے ساتھی نے کہا:

کاش! اگر اس نمک میں پہاڑی پودینہ ڈال دیا جائے (تو بہتر ہو جائے)، تو سلمان نے اپنا لوٹا سبزی فروش کو دیا اور اسے گروی رکھ کر اس کے عوض میں پہاڑی پودینہ لے آئے اور اس میں ڈال دیا۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو میرے ساتھی نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي قَنَّعَنَا بِمَا رَزَقَنَا

”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس رزق پر قناعت کی توفیق دی جو اس نے ہمیں عطا کیا۔“

تو سلمان فرمانے لگے کہ اگر تم نے اللہ کے دِیے ہوئے رزق پر کفایت کی ہوتی تو میرا لوٹا گروی نہ پڑا ہوتا۔“

اس سے مراد بے جا تکلف ہے کہ آدمی اپنی استطاعت سے بڑھ کر اور ضرورت سے زائد ضیافت کا اہتمام کرے، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو مناسب تکلف میں حرج نہیں ہے، وگرنہ جو میسر ہو وہی پیش کر دینا چاہیے اور مہمان کو بھی اسی پر قناعت کرنی چاہیے۔

☆☆☆

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

مجھے اپنے کاغذات اور کاپیوں میں ایک جیبی ڈائری بھی ہاتھ آئی۔ یہ ڈائری مدینہ منورہ کی جامعہ اسلامیہ کے تعلیمی سال 1383ھ (بمطابق 1963ء) کی ہے۔ مندرجات کا آغاز 25 ربیع الثانی (14 ستمبر) سے ہوتا ہے اور اختتام 29 ذوالحجہ (11 مئی 1964ء) پر ہوتا ہے۔ گویا یہ 8 ماہ کے دورانیہ کی حکایت ہے۔

پہلے دس دن اس بحری وبری سفر سے متعلق ہیں جو برٹش انڈیا کمپنی کے بحری جہاز 'دیریسا' پر سوار ہونے سے شروع ہوا اور پھر خلیج عربی کی بندرگاہوں، مسقط، دبئی، مسیعید (قطر) اور بحرین جا پہنچا۔ وہاں سے ایک لانچ میں الخُبر (سعودیہ) اور پھر دمام اور ریاض کی راہ دکھاتا چلا گیا۔ ریاض سے مدینہ کا سفر دو راتوں اور ایک دن میں تمام ہوا کہ میں ایک ٹرک کے عقبی حصہ میں دوسرے مسافروں اور سامان کے ساتھ سوار تھا اور عفیف کے بعد یہ سارا سفر صحراء کے کچے ریتلی راستے پر تمام ہوا۔ میں اس سفر کی تفصیل اپنے سفر نامے بعنوان (دیارِ عجم سے دیارِ عرب تک) میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں جو کہ میری کتاب (ابن بطوطہ ہوا کرے کوئی) کے مندرجات میں شامل ہے۔ یہاں بطور تفنن لکھتا چلوں کہ اس وقت سفری اخراجات کیا خوب تھے اور خاص طور پر ایک طالب علم کے حوالہ سے:

بحری جہاز کا ٹکٹ: 137 روپے
بحرین سے الخبر لانچ: 8 ہندوستانی روپے
الخبر سے دمام ٹیکسی: 2 سعودی ریال
دمام سے الریاض ٹیکسی: 25 ریال
ریاض سے مدینہ: 15 ریال

اب آیئے اصل موضوع کی طرف

میں نے اس ڈائری کے مختصر مندرجات کو 11 عناوین میں تقسیم کیا ہے تاکہ جامعہ کے ایک تعلیمی سال (جس میں آخر کے ایک ماہ (یعنی جون 1964ء) کے وقائع شامل نہیں ہیں، کے خدوخال قارئین پر واضح ہو جائیں، یہ عناوین ملاحظہ ہوں:

1۔ جامعہ کا نظام 2۔ اساتذہ کا تذکرہ
3۔ حرم نبوی کے دروس 4۔ اضافی تعلیمی مشاغل
5۔ تفریحی اور مطالعاتی سفر (رحلات)
6۔ ذاتی مشاغل 7۔ جامعہ میں مختلف وفود کی آمد
8۔ چند مقتدر شخصیات کا تذکرہ
9۔ میرے چند ساتھی 10۔ سفر حج
11۔ اس سال کے چند اہم واقعات اور خبریں

چونکہ میں جامعہ کے دوسرے تعلیمی سال کے آغاز سے 16 دن قبل مدینہ پہنچ چکا تھا، اس لیے یہ دن مکہ جا کر عمرہ ادا کرنے، پھر طائف کی پہاڑیوں، وادیوں اور مساجد کی زیارت کرنے اور بعد ازاں مدینہ واپس پہنچ کر خیبر کے ایک تفریحی اور مطالعاتی سفر میں گزارنے کا موقع ملا، تفصیلات رحلات کی مد میں بیان ہوں گی۔ اب ہم عناوین کے ترتیب کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں:

1۔ جامعہ کا نظام

مدینہ کے شمال میں جبل احد ہے اور اس کے بائیں طرف وادی عقیق پھیلی ہوئی ہے، وہیں ایک شاہی محل واقع ہے جس کے عقب میں متعدد یک منزلہ عمارتیں ایک بہت بڑے احاطہ میں سمائی ہوئی ہیں، ایک زمانہ میں انہیں فوجی بیرکس کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا، لیکن 1961ء میں جب مدینہ یونیورسٹی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا تو ان عمارتوں کو قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں سمیٹنے کا شرف حاصل ہوا۔

یہی عمارتیں جامعہ کے دفاتر، طلبہ کی درسگاہوں اور ان کی قیام گاہوں میں تبدیل کر دی گئیں۔ ہم طلبہ کے دار الاقامہ ایک جیسے تھے۔ ایک بڑی سی عمارت جس کے آغاز میں ایک وسیع دالان نما کمرہ اور پھر اس کے سہ اطراف میں چار کھلے کمرے اور ہر کمرے میں چار بستر اور پھر ان چار کمروں کے درمیان مشترک مطبخ اور حمامات

میرے رفقاءِ اقامت میں ابراہیم خلیل، عبد الرحمن ناصر اور لبنان کے فاروق نجا شامل تھے۔

صبح 8 سے 12 بجے تک 4 حصص تدریس کیلئے مختص تھے، پونے گھنٹے کا ایک پیریڈ اور پھر 15 منٹ کا وقفہ

ظہر سے قبل مسجد نبوی جانے کے لیے بسیں تیار کھڑی رہتی تھیں، اکثر طلبہ حرم جانا پسند کرتے تھے کہ حرم نبوی میں عصر سے لے کر عشاء تک رفقاء کے ساتھ مذاکرات، حرم کے دروس کی حاضری اور قرآن کی تلاوت کا موقع ملتا رہے اور کبھی کبھی بازار کی حاضری بھی لگ جاتی کہ جس کے دوران کتابوں کی تلاش میں مکتبہ علمیہ اور مکتبہ سلفیہ میں بار بار جانا یاد ہے۔ سال میں تین تعطیلات سے لطف اندوز ہوتے۔ رمضان کے آخری 10 دن اور ایسے ہی حج کے ایام کہ جن میں مکہ مکرمہ جانے کا شرف حاصل رہتا اور پھر اواخر جون سے ابتدائے ستمبر تک تقریباً 2 ماہ کی سالانہ تعطیلات جو ہمارے لیے وطن جانے، والدین اور عزیز واقارب سے ملنے کا پیغام لاتیں۔

کسی دن یہ مژدہ سنایا جاتا کہ درسی اور غیر درسی کتب تقسیم ہو رہی ہیں، چنانچہ ہم مستودع (روم) کی طرف لپکتے کہ جہاں سے تفسیر، حدیث اور مختلف فنون کی ضخیم کتابیں مفت میں ہاتھ آ جائیں۔

درجہ عالیہ کے طلبہ کو ماہانہ 300 ریال کا وظیفہ دیا جاتا تھا جو ہماری ضروریات کے لیے کافی تھا، بلکہ دوران تعلیم ہمارے جو ساتھی رشتہ ازدواج میں جڑے، وہ اسی محدود رقم میں مدینہ شہر کے کسی سادہ گھر کو کرایہ پر لے کر اپنی تعلیم بھی مکمل کر پائے۔

جامعہ میں کھانے کا اجتماعی نظام ابھی اپنایا نہیں گیا ہے، طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ وظیفہ لیں اور

اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کریں۔

2۔اساتذہ

☆ شیخ محمد ناصر الدین البانی: سبل السلام اور صحیح مسلم کے دروس ان کے پاس تھے، لیکن رحلات اور اسفار میں کافی استفادہ کیا۔ اسی لیے ان کا نام سر فہرست ہے۔

☆ شیخ محمد عبد الوہاب البنا: وہ ہمارے کسی دروس کے استاد نہ تھے لیکن جامعہ میں داخل ہونے کے بعد ان کے ساتھ رحلات اور اسفار میں ساتھ رہا۔ وہ مساجد میں وعظ و نصیحت کرنے پر ہمیں آمادہ کرتے، ان کے ساتھ پچھلے سال مکہ کے ایک سفر میں مسجد الجن میں خطاب کرنا یاد ہے۔ ان کا تعلق مصر کی جماعت انصار السنہ سے تھا۔

☆ شیخ عبد المحسن حمد العباد: غالباً کلیۃ الشریعہ ریاض کے فاضل طلبہ میں سے تھے، جنہیں فراغت تعلیم پر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ عقیدہ طحاویہ کے استاد تھے۔

☆ شیخ محمد الامین الشنقیطی: بلاد شنقیط (موریتانیا) سے حج کے لیے حجاز آئے اور پھر اپنے علم و فضل، استحضار آیات، استشہاد اشعار اور بے پناہ قابلیت کی بنا پر اہل حجاز و نجد کی درخواست پر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ پہلے ریاض میں تعلیم دیتے رہے اور پھر جامعہ کے قیام کے بعد یہاں بحیثیت مدرس مقیم رہے۔ تفسیر اور اصول فقہ کے اسباق ان کے پاس تھے، ان کے چند واقعات میں اپنے انگریزی بلاگ کے مضمون میں تحریر کر چکا ہوں۔

☆ شیخ عبد القادر شیبۃ الحمد: مصر سے تعلق تھا لیکن نجد کے ہو کر رہ گئے تھے اور پھر ساری زندگی مملکت ہی میں گزار دی۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ کے رخصت ہو جانے کے بعد انہیں حدیث کے اسباق دیے گئے۔ عربی زبان میں فصیح و بلیغ خطابت ان کے دروس کی پہچان تھی۔

شیخ سلیمان الاشقر: فقہ کے دروس ان کے پاس تھے، امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے توسط سے استفادہ کیا۔

☆ شیخ محمد عطیہ سالم: صرف اساتذہ میں شامل نہ تھے، ادارتِ جامعہ سے تعلق تھا لیکن بعض لیکچرز اور نجی ملاقاتوں کے توسط سے ان سے بھی استفادے کا موقع ملا۔

☆ شیخ عبد العزیز بن باز: جامعہ کے نائب رئیس ہونے کی بنا پر تمام ادارتی امور انہی کے ذمے تھے، اس لیے باضابطہ کسی فصل کے استاد نہ تھے لیکن ان کے لیکچرز، مسجد جامعہ میں، وفود کی آمد کے موقع پر اور حج و عمرہ کے سفر کے دوران بارہا سننے کا موقع ملا۔ اس لیے انہیں استاذ الاساتذہ کہنے میں حق بجانب ہوں گا۔

چند دوسرے شیوخ ایسے بھی تھے جن سے سفر و حضر میں یا کسی اور نشست میں استفادے کا موقع ملا اور ان میں شیخ محمد ناصر العبودی (رجسٹرار جامعہ)، شیخ محمد شریف (ثانویہ کے استاد)، شیخ عبد الحق محروس، شیخ عبد اللہ زائد (امور طلبہ کے نگران)، رمضان ابو العز، جامعہ کی فارمیسی کے نگران عبد اللہ السمان شامل ہیں۔

نوٹ: خیال رہے کہ یہاں صرف 1963ء کے اساتذہ کا ذکر ہو رہا ہے، جو اساتذہ بعد میں آئے جن میں میرے والد شیخ عبد الغفار حسن بھی شامل ہیں، ان کا تذکرہ میں اپنی آپ بیتی (بزبان انگریزی) میں کر چکا ہوں۔

3۔رفقاءِ درس اور طلبہ جامعہ

جن رفقاء اور طلبہ کا ذکر میری ڈائری میں آیا ہے صرف ان کا تذکرہ کرتا چلوں۔

☆ ابراہیم خلیل: میرے ہم جماعت اور کمرے کے ساتھی، بلتستان سے تعلق ہے۔

☆ محمد سلفی: گو ان کا داخلہ درجہ ثانویہ میں ہوا تھا لیکن ان کی حیثیت ہم نوالہ و ہم پیالہ کی سی تھی۔ کراچی کے جامعہ ستاریہ سے نسبت رکھتے ہیں۔

☆ عبد الرحمٰن ناصر: رہائش کے دوسرے ساتھی، جسمانی ریاضت کے رسیا، بھولو برادران کی آمد کے موقع پر انہیں اپنے کمرے میں دعوت پر بلایا تھا۔

☆ یوسف کاظم: علم حدیث پر اچھی نظر رکھتے تھے۔

☆ حفیظ الرحمٰن: عمر آباد، ہندوستان سے تعلق تھا، جامعہ دار السلام عمر آباد کے تعلیم یافتہ تھے اردو ادب سے گہرا لگاؤ تھا، بارہا ان کے ساتھ جامعہ سے مسجد نبوی تک پیدل جانے میں ساتھ رہا اور پھر ادبی و علمی مضامین پر مذاکرہ ہم سفر رہتا۔

☆ فاروق نجا: لبنان سے تعلق تھا، رہائش کے تیسرے ساتھی، علم و تعلم کے دھنی، بات سے بات نکالنے والے، ان کے پاس بیروت کے عربی اور فرانسیسی رسائل آتے تھے، اکثر نوک جھونک جاری رہتی۔

☆ احسان الٰہی ظہیر: اسی سال ان کا داخلہ ہوا تھا اور اس لحاظ سے وہ مجھ سے ایک سال پیچھے تھے۔ نادی عربی کے حوالہ سے ان کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

☆ محمد لقمان سلفی: دربھنگہ (بہار) سے تعلق تھا۔ احسان الٰہی ظہیر کے ہم جماعت تھے، میرے سے اچھا یارانہ تھا۔

☆ عبید الرحمٰن مبارکپوری: محدث ہند مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کے فرزند ارجمند، میرے سے ایک سال آ گئے تھے۔

☆ ہلال احمد: جماعت اہل حدیث ہندوستان کے مشہور عالم اور میرے والد کے رحمانیہ میں رفیق درسگاہ مولانا نذیر احمد کے فرزند ارجمند۔

☆ خالد کمال: ہندوستان کے مشہور عالم دین اطہر کمال کے صاحبزادے ☆

☆ غلام قادر سربازی: بلوچستان سے تعلق تھا۔ مدینہ ہی میں ایک بلوچی لیکن حالیہ مدنی خاتون سے شادی کرنے کے بعد مدینہ شہر منتقل ہو گئے تھے، ہم طلبہ میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے دوران طالب علمی رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کی جسارت کی۔

☆ ہشام قدومہ: شام سے تعلق تھا، تحریکی مزاج رکھنے کی بنا پر طلبہ میں خوب متعارف تھے۔

☆ سعودیہ کے عبد العزیز اور ہندوستان کے مشتاق کا بھی ذکر خیر آیا ہے، ان کا سراپا ذہن میں ہے لیکن ان سے وابستہ یادوں میں خلا ہے، یہ وہ اصحاب جن کا ذکر ڈائری میں موجود ہے۔

لیکن چند ان اصحاب کا بھی ذکر کرتا چلوں جن سے راہ و رسم برابر رہی۔

☆ جامعہ بنوریہ سے تعلق رکھنیوالے جناب عبد الرزاق سکندر، عبد اللہ کاکا خیل اور چارسدہ کے حسن جان۔

☆ہندوستان سے سراج الرحمٰن اور مزمل صدیقی
☆ پاکستان سے اسی سال آنے والے طلبہ میں سے حافظ ثناء اللہ، عبد السلام کیلانی اور عبد الرحمٰن مدنی۔
☆پاکستان کے صوفی بشیر احمد اور صلاح الدین حیدر
☆موزمبیق کے ابو بکر جو فٹ بال کے رسیا تھے، کچھ دن اس کھیل میں ان کی صحبت بھی رہی لیکن یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا۔

4۔زائرین جامعہ: علماء اور مقتدر شخصیات

ایام حج میں دنیا بھر سے علماء و فضلاء کی آمد رہتی، ان میں سے جو حضرات خصوصی طور پر جامعہ مدعو کیے گئے یا جامعہ سے باہر ان کی زیارت ہوئی، ان کا تذکرہ مقصود ہے۔

☆ مصطفیٰ السباعی: شام کے مشہور عالم، مجلہ حضارۃ الاسلام کے ایڈیٹر، کئی کتب کے مصنف، دار الحدیث مدنیہ میں انہیں اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک ٹانگ سے مفلوج تھے لیکن طلبہ سے خطاب میں چست وچوبند نظر آئے۔

☆مولانا ابو الاعلیٰ مودودی: جامعہ کے مستشارین میں سے کئی مقتدر ہستیوں کو بلایا گیا تھا جن میں مولانا مودودی بھی شامل تھے۔ خلیل حامدی ان کے ساتھ تھے۔ ہم طلبہ کے ساتھ اچھی نشست رہی۔ جامعہ کے نصاب میں جن تبدیلیوں کے خواہشمند تھے ان کا تذکرہ کیا۔

☆مفتی امین الحسینی: اپنے لیکچر میں بتایا کہ ایک عالمی اسلامی یونیورسٹی کا تصور کئی علماء اور قائدین پہلے دے چکے ہیں جن میں جمال الدین افغانی، محمد عبدہ اور رشید رضا شامل ہیں۔

ایک دوسری نشست میں مسئلہ فلسطین پر روشنی ڈالی اور طلبہ کے سوالات کے جوابات دیے۔

☆ محمد المبارک: دمشق کے کلیۃ الشریعہ کے مدیر تھے، اپنی تقریر میں کہا کہ نئے نئے فتنوں کے سد باب کے لیے جدید علم کا حصول لازمی ہے۔

انہوں نے اپنے خطاب میں ایک حدیث یہ بیان کی کہ

«عَدْلُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً»

اور دوسری حدیث معاذ جس میں قرآن وحدیث کے بعد اجتہاد کا ذکر ہے، شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں حدیثوں کے ضعف کی طرف اشارہ کیا۔

☆بہجۃ الاثری: عراق کے مشہور سلفی عالم
☆عبد اللہ القلقیلی: اردن کے مفتی اعظم
☆ محمد محمود الصواف: عراق سے تعلق تھا، اخوان کے قائدین میں شمار ہوتا ہے۔ اپنی خطابت اور زور بیان کی بنا پر مشہور و معروف تھے۔

☆مولانا عبد الخالق رحمانی: دار العلوم رحمانیہ دہلی سے نسبت ہے کہ جہاں والد مکرم نے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔

☆ مولانا بدیع الدین راشدی: پیر جھنڈا کے نام سے بھی پہچانے جاتے ہیں، دیار سندھ میں کتاب وسنت کے مسلک کے داعی، طلبہ سے خطاب بھی کیا اور ان کے ساتھ کئی نشستیں بھی رہیں۔

☆ ظفر احمد انصاری: مولانا مودودی کے رفقا میں سے ہیں۔ اپنی سیاسی بصیرت کی بنا پر نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

☆ قاری محمد طیب: دار العلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔

☆ شیخ فاضل جالندھری: جامعہ رشیدیہ منٹگمری (ساہی وال) کے مہتمم اور شیخ الحدیث شیخ عبد اللہ کے بھائی ہیں۔ جامعہ اسلامیہ میں داخلے سے قبل اپنے منٹگمری کے قیام کے دوران مجھے جامعہ رشیدیہ میں چند اسباق (نور الانوار، مسایرہ مع مسامرہ) پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا اور اسی وقت سے شیخ سے تعارف حاصل ہوا تھا۔

☆ سفیر پاکستان: نام یاد نہیں، البتہ طلبہ کا ایک وفد ان کی رہائش گاہ مدینہ میں ان سے ملاقات کر پایا تھا۔

☆ محمد شعیب: پاکستان کے وزیر مالیات رہے ہیں۔ جامعہ تشریف لائے تھے اور شیخ ابن باز سے ملاقات کے بعد جامعہ کے بارے میں اچھا تاثر رکھتے تھے۔

☆مولوی فرید احمد: بنگال کی سیاست میں ان کا بڑا نام تھا۔ اتنا یاد ہے کہ سردیوں کے دن تھے اور ہم انہیں شارع عینیہ (مسجد نبوی سے متصل) میں ایک کیفے میں لے گئے تھے اور غالباً مہلبینہ (ایک میٹھی سوغات) سے ان کی تواضع کی تھی۔

☆ناظم اجمیری: ڈائری میں ان سے ملاقات کا تذکرہ ہے۔ اب یاد نہیں آرہا ہے کہ وہ کس حیثیت کے مالک تھے۔

☆صوفی امام دین: پشاور سے تشریف لائے تھے۔ ابا جان کے قدیم رفقاء میں سے تھے، کئی بار ان کے نشست رہی۔

☆ ڈاکٹر قیوم سعادت: طائف کے مرکزی ہسپتال میں بطور ڈاکٹر اپنے فرائض انجام دے رہے تھے، جماعت اسلامی سے تعلق تھا۔ ابا جان سے تعارف کی بنا پر ان سے بھی اچھی راہ ورسم رہی۔

☆ منظور حسین شاہ: جدہ میں مقیم تھے۔ ایک رشتے سے ابا جان کے پھوپھا لگتے تھے، جب بھی جدہ جانا ہوتا، ان سے ملاقات ہوئی۔

☆ پیر عبد الغفور: مدینہ ہی میں مقیم تھے، کراچی کے سولجر بازار میں مسجد غفوری انہی کے نام پر بنائی گئی ہے، ڈاکٹر قیوم سعادت ان کے معتقد تھے اور انہی معیت میں ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

☆مولانا محمد علی لکھوی: لکھوی خاندان کے سربراہ، ایک زمانہ ہوا کہ پاکستان چھوڑ چھاڑ مدینہ آکر آباد ہو گئے تھے۔ جبل سلع کے آس پاس ان کا سادہ سا گھر تھا، بکری بندھی رہتی تھی۔ سلفی طلبہ اکثر ملاقات کے لیے ان کے گھر حاضری دیتے رہے۔

ان کے ایک بیٹے حسین سے بھی ملاقات ہوئی جو ریاض سے تشریف لائے تھے۔ شیخ نے بتایا کہ وہ مولانا داؤد غزنوی کو بچپن سے جانتے ہیں اور ان سے گہرے تعلقات رکھتے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ 33 سال قبل لکھو کے سے جو پودا لے کر آئے تھے اسے میدان مناخر میں لگا دیا تھا جو اب ایک تناور درخت بن چکا ہے۔

☆ابو سیف الرحمٰن: دار الحدیث مدینہ کے مدیر تھے، دار الحدیث کے دالان ہی میں کئی لیکچرز سننے کا اتفاق ہوا جس میں ہمارے شیخ محمد امین شنقیطی کا ایک لیکچر بابت اسماء وصفت بھی شامل ہے۔

مصطفیٰ السباعی سے ملاقات بھی دار الحدیث ہی کے مہمان خانے میں ہوئی۔ (جاری)

جناب گلاب دین جائنٹ سکرٹری انجمن اہل حدیث میرپور جناب کرم الدین جہلمی سے مباحثہ کے تسلسل میں لکھتے ہیں :

انجمن حنفیہ میرپور کے جلسہ منعقدہ 11۔12۔13۔ اکتوبر 1921ء پر بحث کے واسطے سکرٹری انجمن حنفیہ کو نوٹس دیا گیا کہ مولوی کرم الدین نے بحث تقلید کو گذشتہ جلسہ پر آئندہ سال کے واسطے ملتوی کر دیا تھا اور تحریر فرمایا تھا:اب آئندہ سال یار زندہ صحبت باقی۔

الحمدللہ کہ اللہ عزوجل نے فریقین کو ایفاء وعدہ کے واسطے زندہ رکھا، وقت مناظرہ مقرر کر کے اطلاع دیں۔

جواب آیا کہ:رقعہ پہنچا۔مولوی کرم الدین کے آنے پر اطلاع دی جائے گی۔

مولوی کرم الدین صاحب آئے تو چناں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند، صدائے برنخواست۔زبانی مطالبہ پر یہ ہوا کہ ،وہابی ملعون ہیں ایسے ہیں ویسے ہیں۔، جس پر وفد اہل حدیث مولوی صاحبان کی خدمت میں گیا اور جو گفتگو مابین ہوئی میں اس کو مولوی اور ہم کے عنوان سے قلم بند کرونگا:

مولوی:آپ کدھر آئے۔

ہم۔وعدہ یاد دلانے آئے ہیں۔آپ نے فرمایا تھا کہ آئندہ سال بحث تقلید پر ہوگی۔وقت عنایت فرمایا جاوے۔

مولوی:میرا وعدہ یار سے ہے۔یار زندہ ہے یا مر گیا۔

ہم:یار بفضل خدا زندہ ہے۔وقت مناظرہ کا اعلان ہو۔ یار سر پر پہنچے گا۔

مولوی:پھر طلب کریں ہم مناظرہ کے لئے تیار ہیں۔

ہم۔تاریخ مناظرہ مقرر فرماویں۔

مولوی:کل مولوی ثناء اللہ یہاں پہنچ جائیں گے ہم پرسوں مناظرہ کر کے جاویں گے۔

ہم:تحریر کر دیویں۔

مولوی:ہم تحریر نہیں دیتے، آپ بلالیں۔

ہم:تیار ہو جاویں، کل جناب ثناء اللہ امرتسری پہنچ جاویں گے۔

بس اتنا کہنا تھا کہ حالت دگرگوں شد

مولوی:ثناء اللہ سے میں بحث نہیں کرونگا مولوی ابراہیم کو دہلی سے بلالیں۔

ہم:اس سے معلوم ہوا کہ آپ گریز فرمارہے ہیں۔یہ تو وہی مثل ہوئی کہ نہ نو من تیل ہو، اور نہ رادھا ناچے۔نہ مولوی ابراہیم صاحب کل تک دہلی سے پہنچ سکیں اور نہ مناظرہ ہو۔کیونکہ دہلی سے آنے والے کے واسطے، اگر وہ بن بلائے آویں تو تین یوم چاہییں، ورنہ چار۔وہ بھی اس حالت میں کہ گاڑی کہیں نہ رکے اور آپ ایزادی تاریخ کے بھی مخالف ہیں جو بین دلیل فرار ہے۔

مولوی:میں سوائے مولوی ابراہیم کے مناظرہ نہیں کرتا خواہ وقت پر پہنچ سکیں یا نہ۔

ہم:کھڑے ہو گئے اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر بلند آواز سے کہا کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے کل تک مولوی ابراہیم دہلی سے آسکتے نہیں(وہ ان دنوں دہلی کے دار الحدیث رحمانیہ میں مدرس تھے۔بہاء) اور تاریخ مناظرہ بھی ایزاد نہ ہو سکے تو یہ مولوی کرم الدین کا فرار ہے یا نہیں؟آہ!وقت بھی کیسا عجیب تھا مجمع معہ مولوی صاحبان رعشہ میں مبتلا نظر آتا تھا بجلی گر گئی جلسہ میں ہو کا مکان نظر آنے لگا۔(نیاز مند گلاب دین، میرپور)

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ اپنے ادارتی نوٹ میں لکھتے ہیں:

آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کے جلسہ سے۔۔۔پہلے جہلم میں جلسہ حنفیہ تھا، جس کی تیاری سن کر میں منتظر رہا کہ دعوت آئے گی۔نہ آئی تو میں نے از خود۔۔جلسہ کے ایام میں مولوی کرم دین صاحب منتظم جلسہ سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ کیا آپ ہم کو مباحثہ کے لئے وقت دیں گے۔ اس کا جواب بھی خاموشی ہی میں ملا۔سنا ہے کہ جناب موصوف نے پہلے تو میرا تار ہی چھپائے رکھا، جب لوگوں نے تنگ کر کے پوچھا، تو کہا تار آیا ہے، مگر ہمارے اشتہار میں جو تاریخ اطلاع کے لئے لکھی تھی، اس کے بعد تار آیا ہے۔حالانکہ اس اشتہار کی میں نے شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔کیا مولوی کرم الدین پر واجب نہ تھا کہ وہ اشتہار بذریعہ رجسٹری میرے پاس بھیجتے۔

میرے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ مناظرہ کرنا نہیں چاہتے تو آپ ان بے چاروں کو کیوں تنگ کرتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ مولوی ابراہیم میر کا پنجہ کچھ نرم ہوگا۔ان کو اطلاع رہے کہ یہ خیال آپ کا غلط ہے، ابراہیمی گرفت معمولی نہ ہوگی۔شوق ہو تو آزمالیں

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر 2 دسمبر 1921ء ص 7)

جناب کرم الدین جہلمی کسی تعلیمی ادارے سے مستند نہ تھے۔اور اس وجہ ایک دفعہ ایک مناظرے میں بڑی دل چسپ صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔جیسا کہ

لکھاہے:

میرپور میں حنفیوں کا جلسہ

اور اہل حدیث سے مباحثہ اور غیر مستند علماء کا فرار میرپور ریاست جموں میں ایک ضلع ہے جو جہلم سے 19 میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں پر احناف کا جلسہ 13۔14۔15 نومبر 1922ء کو ہونا قرار پایا اشتہار میں اہل حدیثوں کو چیلنج مباحثہ دیا مگر شرط یہ لگائی کہ مباحثہ میں اس مناظر کو وقت دیا جائے گا جو مستند ہو اور شکست یاب نہ ہو۔ ادھر سے انجمن اہل حدیث نے فوراً اشتہار دیا کہ ہم کو دونوں شرطیں منظور ہیں مگر یہی دونوں شرطیں تم پر بھی عاید ہوں گی۔ پس مستند عالم اور شکست یافتہ کی تحقیق ایک ہفتہ پہلے ہونی چاہیے تاکہ فریقین کو انتظام میں آسانی ہو۔ مگر افسوس انجمن حنفیہ اس فیصلے کی طرف نہ آئی صرف خطوط میں لکھتے رہے کہ دونوں طرف سے مستند عالم پیش ہوں گے اس لئے انجمن اہل حدیث نے اپنے علماء کو تکلیف دی دہلی سے مولوی محمد صاحب کو سیالکوٹ سے مولانا ابراہیم کو امرتسر سے مولانا ثناء اللہ کو بلالائے۔ مولوی محمد امین و مولوی عبدالحی بھی آئے۔ انجمن حنفیہ کے بڑے کارکن مولوی کرم الدین ضلع جہلم کے رہنے والے ہیں۔ انجمن حنفیہ میں جو علماء تشریف لائے تھے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولوی کرم دین، مولوی غلام احمد اخگر امرتسری، مولوی عبدالمجید ملتانی، مولوی محمد عظیم گکھروی، مولوی محمد مسعود چونڈہ، بہاء الحق طالب علم امرتسری، مولوی غلام حیدر، مولوی عبداللہ اوبڑوی اور ملا نظام الدین ملتانی۔

اشتہارات کی بنا پر انجمن اہل حدیث کی طرف سے تقاضا ہوا کہ حنفیہ کی طرف سے مستند عالم کون ہو گا۔ مستند علماء کی سندیں چند معززین کے سامنے پیش کی جائیں جس کا جواب یہی آتا رہا کہ وقت پر ہم دکھا دیں گے۔

ادھر یہ ہوا کہ مولانا امرتسری نے ایک بھرے اجلاس میں جس میں میرپور کے ہندو وکلاء بھی شریک تھے اپنی تعلیمی سندیں مع سند مولوی فاضل دکھا دیں۔ اس پر لالہ کرپارام مہاجن میرپور نے اپنے حدیث کے جلسہ میں اعلان کیا کہ میں نے مولوی کرم دین حنفی کی سندیں دیکھی ہیں وہ تعلیمی سندیں نہیں ہیں بلکہ ایک مقدمہ کے دوران میں کسی حاکم عدالت کا اظہار رائے ہے۔ اس پر وکلاء صاحبان اور دیگر معزز ہندو صاحبان نے انجمن اہل حدیث سے کہا کہ اگرچہ فریق ثانی کے علماء میں سے کسی کے پاس بھی کوئی تعلیمی سند نہیں مگر ہم پبلک کی طرف سے درخواست کرتے ہیں کہ مستند عالم ہونے کی شرط کو اٹھا کر بحث کر کے پبلک کو مستفید فرمایا جاوے۔ اس پر جناب ثناء اللہ نے جلسہ میں فرمایا کہ ہم وکلاء کا شوق پورا کرنے کو تیار ہیں مگر اس شرط پر کہ وہ فریق ثانی سے اتنا لکھوادیں کہ ہمارا کوئی عالم مستند نہیں ہے۔ اس کے جواب میں وکلاء نے کہا اس امر کی تحریر حاصل کرنا مشکل ہے۔ جناب امرتسری نے فرمایا اچھا وہ نہ لکھیں گے، تو وکلاء صاحبان بعد کامل تحقیقات کے لکھ دیں کہ ہم نے تحقیق کر لیا ہے کہ فریق حنفیہ میں کوئی عالم بھی مستند نہیں۔ اور مولانا نے کہہ دیا کہ اب بحث کا ہونا نہ ہونا وکلاء کے ہاتھ میں ہے۔

تاہم فریق ثانیہ نے کوئی مستند عالم پیش نہ کیا اور نہ اس شرط کی تخفیف پر معافی مانگی۔ اخیر وقت میں لاچار ہو کر کہہ دیا کہ ہم انجمن اہل حدیث کی جملہ شرائط پوری کرنے کو تیار ہیں اس پر انجمن اہل حدیث نے ایک وفد بشرکت لالہ کرپارام مہاجن مع ایک چٹھی کے حسب شرائط منظور شدہ علماء حنفیہ کی سندیں دیکھنے کو بھیجا۔ اس وفد کے ساتھ نہایت بد اخلاقی کا برتاؤ کیا گیا یہاں تک کہ لالہ کرپارام ثالث کو بھی نامناسب الفاظ و ترش لہجہ سے خطاب کیا اور کہا کہ چلے جاؤ، نہ ہم کوئی تحریر لے سکتے ہیں نہ سندات دکھاتے ہیں ہماری نیند کا وقت ہے حالانکہ نماز مغرب اور نماز عشاء کا درمیانی وقت تھا۔

مختصر یہ کہ باوجود بہت کوشش کے حنفی علماء نے خصوصاً مولوی کرم دین نے اپنے آپ کو نہ مستند ثابت کیا نہ سندیں دکھا کر مباحثہ کے میدان میں آئے۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر 24 نومبر 1922ء ص 7۔ رپورٹ از گلاب دین جائینٹ سکرٹری انجمن اہل حدیث میرپور)

سطور بالا میں پیر جماعت علی شاہ کا ذکر بھی آیا کہ وہ اہل حدیث کے خلاف بہت سرگرم رہتے تھے اور ان کے زیر اثر ان کے مرید بھی اسی کام میں مصروف ہوتے تھے۔ پیر صاحب، جناب ثناء اللہ امرتسری پر بھی عنایات فرماتے رہتے اور اپنی تقاریر میں انہیں خوب لتاڑتے تھے۔ بنا بریں جناب ثناء اللہ نے چند مرتبہ پیر جماعت علی کو مخاطب کیا۔ مثلاً ایک دفعہ، کھلی چٹھی بنام حافظ جماعت علی صاحب علی پوری، کے عنوان سے آپ نے لکھا:

حافظ صاحب! میں مدت سے سنتا ہوں اور اس دفعہ آپ کے سفر بنگلور کے زمانہ میں تو بکثرت سنتا رہا ہوں کہ آپ ہر وعظ میں میرا نام لے لے کر للکارا کرتے ہیں کہ ثناء اللہ ہمارے سامنے آکر بحث کر لے۔ پھر مرزا قادیانی کی طرح پیش گوئی بھی کیا کرتے ہیں کہ وہ نہیں آئے گا۔

☆☆☆

سلفیہ سسٹرز جمعیت اہل حدیث ہالی فیکس برطانیہ کی دسویں سالانہ عظیم الشان کانفرنس

برطانیہ کے یارک شائر کا ہیلی فیکس شہر اور اس کے اطراف واکناف کی خواتین کے لئے "سلفیہ سسٹرز" جمعیت اہل حدیث ہالی فیکس کا پلیٹ فارم اللہ کا ایک بہترین عطیہ ہے۔ اس کی روح رواں، بانیہ، محترمہ عالمہ سسٹر عابدہ بنت مولانا عبدالرزاق مسعود صاحبہ پچھلی ایک دہائی سے زائد عرصہ سے "سلفیہ سسٹرز" کے تعلیمی و دعوتی پلیٹ سے خواتین اسلام میں ٹھوس دینی، دعوتی اور تعلیمی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ بالغات کے علاوہ معمر خواتین بھی اس پلیٹ فارم سے خوب فیضیاب ہورہی ہیں۔ سسٹر عابدہ مسعود کو اللہ تعالی نے شروع دن سے سسٹر نصرت سعید سمیت مخلص، محنتی اور کمیٹڈ خواتین کی ایک ٹیم بھی عطا کی ہے۔ جو باہمی مشاورت سے سارے کام انجام دیتی ہیں۔ اس پلیٹ فارم سے بالخصوص قرآن مجید کے ترجمہ اور اس کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے کے لئے دو لیولز کی کلاسس کا اجرا عمل میں لایا گیا ہے۔ ایک "تعلیم القرآن" جس میں مکمل قرآن مجید کا ترجمہ، معانی و مفاہیم اور مکمل تفسیر بھی پڑھائی جاتی ہے۔ جس میں زیادہ تر بالغات اور جوان شادی شدہ خواتین حصہ لیتی ہیں۔ جبکہ دوسری کلاس "فہم قرآن" کی ہے جس میں عموما ادھیڑ عمر اور معمر خواتین شریک ہوتی ہیں۔ دونوں کلاسس میں سو سے کچھ کم خواتین نے رجسٹریشن کروار کھاہے۔ جبکہ ستر خواتین بلاناغہ شریک ہوکر استفادہ کر رہی ہیں۔ امسال کل 39 خواتین نے یہ دو کورس مکمل کرکے اسناد حاصل کیں۔ فللہ الحمد!

اسی سلفیہ سسٹرز ہیلی فیکس کے پلیٹ فارم سے پچھلے کئی سالوں سے ملکی پیمانے پر خواتین کی سالانہ کانفرنس کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔ COVID 19 کی وجہ سے دو سال کے وقفے کے بعد امسال جامع مسجد اہل حدیث ہیلی فیکس کے اندر 10 ستمبر 2022 کو خواتین کی ایک عظیم الشان کانفرنس بعنوان" قرآن میری زندگی" منعقد کی گئی۔ جس میں برطانیہ بھر سے لگ بھگ آٹھ سو خواتین نے شرکت فرماکر استفادہ کیا۔ کانفرنس کا آغاز محترمہ استاذہ سمیہ سعد صاحبہ کی تلاوت سے ہوا، آپ نے تلاوت کردہ آیات کا ترجمہ کیا اور مختصر تشریح سے بھی سامعات کو مستفید فرمایا۔ جبکہ محترمہ حمنہ عتیق صاحبہ نے نظم پڑھی۔ اس کے بعد سلفیہ سسٹرز کی بانی، قائد، روح رواں اور معلمہ محترمہ عابدہ مسعود صاحبہ نے سلفیہ سسٹرز کا تعارف اور سال بھر کی کارکردگی کی جامع رپورٹ پیش کی، اس کانفرنس کے اغراض ومقاصد بیان کئے اور کاروائی کو آگے بڑھانے کے لئے ناظم اسٹیج محترمہ نجمہ عتیق صاحبہ کو دعوت دی اور اسٹیج ان کے حوالہ کیا۔ سسٹر نجمہ عتیق صاحبہ نے بحسن وخوبی اسٹیج سکریٹری کے فرائض انجام دئے۔ آپ نے وقفہ وقفہ سے موقع و محل کی مناسبت سے معنی خیز اور سبق آموز اشعار سے حاضرات کی تواضع کی۔

کانفرنس کی جھلکیاں:

☆ کانفرنس سے ذیل کی معزز عالمہ و فاضلہ خواتین نے مختلف عنوانات پر خطاب کیا:

1. معروف مقررہ، داعیہ محترمہ عفت مقبول صاحبہ نے پاکستان سے ٹیلی لنک کے ذریعہ بعنوان" قرآن کا مطلوب انسان" نہایت جامع، علمی اور مؤثر خطاب فرمایا۔
2. سلفیہ سسٹرز کی ریلیجیس ایڈوائزر اور تعلیمی گائیڈ محترمہ عائشہ مختار صاحبہ آف برمنگھم نے "النساء فی القرآن" کے موضوع پر سبق آموز خطاب فرمایا۔
3. محترمہ ام حسن مدنی صاحبہ آف گلاسگو نے پنجابی زبان میں " قرآن کا پیغام" کے عنوان کے تحت ولولہ انگیز خطاب فرمایا۔
4. محترمہ عمارہ عبدالحئی فلاحی آف راچڈیل نے " شفاء لما فی الصدور" عنوان پر پرمغز اور جامع خطاب فرمایا۔
5. محترمہ فروہ حمدان صاحبہ آف برمنگھم نے " فہم قرآن کی اہمیت" پر نصیحت آموز خطاب فرمایا۔
6. محترمہ سمیہ سعد صاحبہ آف ہالی فیکس نے بزبان انگریزی " النساء فی القرآن" کے عنوان پر خطاب فرمایا۔
7. محترمہ طیبہ قاسم صاحبہ آف راچڈیل نے " قرآن اور سلف صالحات" کے عنوان پر اردو میں جامع خطاب فرمایا۔
8. محترمہ اطلس حذیفہ صاحبہ آف اولڈھم نے انگریزی میں بعنوان" فہم قرآن کی ضرورت" پر خطاب فرمایا۔
9. محترمہ طیبہ شفیق صاحبہ آف مڈلزبرو نے بزبان

انگریزی " قرآن اور سلف صالحات" کے عنوان پر پُر اثر خطاب فرمایا۔

10. محترمہ ام عائشہ صاحبہ آف کیتھلے نے بعنوان" قرآن دلوں کے امراض کی دوا" انگریزی میں خطاب فرمایا۔

- دوران کانفرنس وقفات کے بعد محترمہ فرحین ادریس اور محترمہ سمیہ سعد نے تلاوت کی جبکہ محترمہ شفیقہ مسعود، محترمہ شبانہ ابرار، محترمہ سونیا عثمان، محترمہ ہاجرہ، محترمہ سعدیہ اور محترمہ فروہ نے نظمیں سناکر مجلس میں سماں باندھا۔
- کانفرنس میں برطانیہ بھر سے لگ بھگ آٹھ سو خواتین نے شرکت فرمائی۔خواتین کا شوق اور ان کی علمی پیاس بجھانے کی تڑپ قابل دید تھی۔
- برمنگھم اور ناٹنگھم شہر سے خواتین کی دو بڑی کوچز آئیں۔ نیز کئی دس اور سات سیٹرز کے علاوہ کئی ایک انفرادی کاروں میں بھی خواتین جوق در جوق تشریف لائیں۔
- تمام خواتین کو بہترین ظہرانے اور عشائیہ سے تکریم کی گئی جبکہ دوران کانفرنس کشمیری چائے سے بھی ان کی تواضع کرکے انہیں چست اور نشیط رکھا گیا۔
- کانفرنس کے دوران سلفیہ سسٹرز کے تعلیم القرآن کورس مکمل کرنے والی (14) چودھا جبکہ فہم القرآن کورس مکمل کرنے والی (25) پچیس خواتین کو محترمہ عائشہ مختار صاحبہ اور محترمہ ام حسن مدنی صاحبہ کے ہاتھوں اسناد دی گئیں۔
- سلفیہ سسٹرز کی بانی اور روح رواں سسٹر محترمہ عابدہ مسعود صاحبہ کی دست راز و معاون اول محترمہ نصرت سعید صاحبہ اور سلفیہ سسٹرز کی مذہبی مشیر اور علمی گائڈ محترمہ عائشہ مختار صاحبہ آف برمنگھم کو پچھلے دس سالوں کے تعاون اور خدمات کے اعتراف میں یادگار شیلڈز دے کر ان کی تکریم کی گئی۔ان شیلڈز پر ذیل کی یہ عبارت کندہ تھی:

Salafiah Sisters present this AWARD of recognition & appreciation proudly to : Sister Aisha Mukhtar / Nusrat Saeed in appreciation of your 10 years of service, devotion and commitment to our organisation. Thank you for your unwavering support and guidance that has helped us become successful.By Salafiah Sisters Halifax. September 2022)

- کانفرنس کے احاطہ میں خواتین کے لئے مختلف دینی کتب، عبائے، اسکارف اور دیگر اشیاء کے اسٹالز بھی لگائے گئے تھے۔
- کانفرنس شروع سے آخر تک ماشاءاللہ نظم ونسق سے مرصع اور قابل مثال تھی۔
- کانفرنس کے اخیر میں محترمہ ام حسن مدنی صاحبہ آف گلاسگو کے ولولہ انگیز پنجاب خطاب کے پُر اثر دعا نے مجلس کو روح پرور بنادیا۔
- کانفرنس صبح ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوکر شام ساڑھے آٹھ بجے اختتام پذیر ہوئی۔
- اخیر میں کانفرنس کی آرگنائزر سلفیہ سسٹرز کی بانی ومعلمہ محترمہ سسٹر عابدہ مسعود صاحبہ نے تمام مقررات، شہر اور بیرون شہر سے آنے والی جملہ خواتین، سلفیہ سسٹرز کی معاون ٹیم، مرد و خواتین والینٹئرز اور جامع مسجد اہل حدیث ہالی فیکس کی کل انتظامیہ اور تمام معاونین کا بھرپور انداز میں شکریہ ادا کیا۔

☆☆☆

شیخ صالح بن فوزان الفوزان فرماتے ہیں:

حق بات کا یہ حق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔

☆مسلک کے لئے عصبیت جائز نہیں۔

☆افراد کے لئے عصبیت جائز نہیں۔

☆اور قبائل کے لئے عصبیت جائز نہیں۔

ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ حق جہاں کہیں ملے، وہ اس کی اتباع کرتا ہے۔

☆وہ تعصب نہیں کرتا.

☆حق بات کو نہیں چھوڑتا۔

مسلمان تو وہ ہے، اسے جہاں حق مل جائے، اس کے ساتھ رہتا ہے:

☆خواہ یہ حق اس کے مسلک میں ہو یا دوسرے کے مسلک میں.

☆اس کے امام کے پاس ہو یا دوسرے کے امام کے پاس.

☆اس کے قبیلے اور برادری کے ساتھ ہو یا دوسرے کے قبیلے اور برادری کے ساتھ.

☆یہاں تک کہ اگر حق اس کے دشمن کے پاس ہو تب بھی وہ اسے اختیار کرتا ہے.

کیونکہ حق کی رجوع کرنا۔باطل پر جم جانے سے بہتر ہے۔

(إعانة المستفيد:115/2)